فہرست

شذرات	اولاد کی تربیت	منظور الحسن	۲
قرآنیات	آل عمران (۳: ۱۱۰۔۱۱۷)	جاوید احمد غامدی	۵
معارف نبوی	عرب کی سب سے بہتر خواتین	معز امجد	۹
	کھانے میں برکت	طالب محسن	۱۳
	جس نے رکعت پالی	ساجد حمید	۲۰
دین و دانش	اخلاقیات (۹)	جاوید احمد غامدی	۲۵
نقطۂ نظر	اسلام کا تصور عبادت	الطاف احمد اعظمی	۳۹
حالات و وقائع	خارجہ بن زید	محمد وسیم اختر مفتی	۶۵

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

منظور الحسن

اولاد کی تربیت

ہمارے معاشرے میں اکثر والدین اپنی اولاد کی دینی اور اخلاقی تربیت کے حوالے سے پریشان رہتے ہیں۔ جب بچے بلوغ کی عمر کو پہنچ جاتے ہیں تو والدین کی پریشانی اور بھی بڑھ جاتی ہے۔ وہ چاہتے ہیں کہ ان کے بچے دین کی باتوں پر عمل کریں، باقاعدگی سے نماز پڑھیں، روزے رکھیں، قرآن کی تلاوت کریں۔ اسی طرح ان کی تمنا ہوتی ہے کہ ان کی اولاد پاکیزہ عادتیں اپنائے، برے طور طریقوں سے گریز کرے اور اپنی ذمہ داریوں کے بارے میں سنجیدگی اختیار کرے۔ ان چیزوں کو اپنے بچوں میں پیدا کرنے کے لیے وہ بالعموم سختی اور زبردستی کا طریقہ اختیار کرتے ہیں۔ اس کی وجہ شاید یہ ہے کہ وہ سمجھتے ہیں کہ تربیت و اصلاح کا واحد راستہ جبر ہے۔ یہ عام مشاہدہ ہے کہ اصلاح کے اس طریقے کو اختیار کرنے کے بعد، بچوں کی مختلف طبیعتوں اور مختلف حالات کے لحاظ سے تین ہی طرح کے نتائج نکلتے ہیں۔

اس کا ایک نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ بعض دھیمے مزاج والے بچے اپنی شخصیت کو ختم کر لیتے ہیں۔ وہ اپنے عمل میں ان چیزوں کو اختیار کر لیتے ہیں جو نہ ان کے شعور کا حصہ بنی ہوتی ہیں اور نہ ان کے ذوق وشوق سے مطابقت رکھتی ہیں۔ وہ والدین کے حکم پر نماز، روزہ اور دوسرے دینی احکام پر باقاعدگی سے عمل کر رہے ہوتے ہیں، مگر ان اعمال کے پیچھے شعور اور ارادے کی کوئی قوت نہیں ہوتی۔ وہ چہرے پر داڑھی بھی سجا لیتے ہیں اور خاص طرح کا لباس بھی پہن لیتے ہیں، مگر ان چیزوں کے لیے ان پر بے دلی اور بے رغبتی ہی کی کیفیت طاری رہتی ہے۔ اس صورت حال میں، ان کے اندر زندگی کا جوش و جذبہ اور کچھ کر گزرنے کی امنگ، کم و بیش ختم ہو کر رہ جاتی ہے۔

اس کا دوسرا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ بعض تیز مزاج والے بچے باغیانہ طرزعمل اختیار کر لیتے ہیں۔ وہ باتیں جنھیں ان کے دل و دماغ نے قبول نہیں کیا ہوتا، وہ ان پر عمل پیرا ہونے سے انکار کر دیتے ہیں۔ وہ صاف کہہ دیتے ہیں کہ دین و اخلاق کی باتیں محض دقیانوسی تقریریں ہیں، ہم اپنی زندگی کو اس کے مطابق نہیں ڈھال سکتے۔ والدین کی طرف سے سختی کے جواب میں وہ ردعمل کی ایسی نفسیات میں مبتلا ہو جاتے ہیں کہ ضد اور سرکشی کے رویے ان کی طبیعت کا حصہ بن جاتے ہیں اور وہ بعض اوقات ان باتوں کو بھی ماننے سے انکار کر دیتے ہیں جنھیں ان کی عقل بالکل ٹھیک قرار دے رہی ہوتی ہے۔

اس کا تیسرا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ بعض معتدل مزاج والے بچے منافقت کا رویہ اختیار کر لیتے ہیں۔ وہ والدین کے سامنے ان کی مرضی کا اور ان کی عدم موجودگی میں اپنی مرضی کا طرزعمل اختیار کرتے ہیں۔ والدین یہی سمجھ رہے ہوتے ہیں کہ ان کے بچے ایک خاص دینی اور اخلاقی زندگی گزار رہے ہیں، مگر حقیقت اس کے برعکس ہوتی ہے۔

ان تینوں میں سے کوئی نتیجہ بھی مثبت اثرات کا حامل نہیں ہے۔ ان میں سے ہر نتیجہ بچوں کی تہذیب نفس میں رکاوٹ بننے کے ساتھ ساتھ ان کی ذہنی اور جسمانی صحت پر بھی منفی اثرات مرتب کرتا ہے۔

اگر انصاف کی نگاہ سے دیکھا جائے تو حقیقت یہ ہے کہ اس میں اولاد کا کوئی قصور نہیں ہے۔ اصل غلطی والدین کے تربیت کے طریقے میں پائی جاتی ہے۔ انسان کو اللہ تعالیٰ نے اس ساخت پر پیدا کیا ہے کہ پہلے وہ کسی بات کو اپنے ذہن و فکر اور شعور و ارادے کا حصہ بناتا ہے اور اس کے بعد اپنے عمل کو اس کے مطابق کرتا ہے۔ یہ طریقہ اللہ تعالیٰ نے صرف جانور کے لیے رکھا ہے کہ اس کو جس طرف ہانکا جائے، وہ اسی طرف مڑ جائے۔ انسان کا معاملہ یہ ہے کہ وہ دو ہی راستوں سے کوئی بات قبول کرنے کے لیے آمادہ ہوتا ہے۔ ایک عقل کے راستے سے اور دوسرے جذبات کے راستے سے۔ یہی وجہ ہے کہ پیغمبروں نے ہمیشہ انسان کے ذہن کو مخاطب بنایا ہے اور اس کے در دل پر دستک دی ہے۔

والدین اگر اپنی اولاد کی صحیح معنوں میں تربیت کرنا چاہتے ہیں تو یہ ضروری ہے کہ وہ اپنے پرانے طریق کار کو یکسر بدل دیں۔ اس مقصد کے لیے انھیں چاہیے کہ وہ دینی و اخلاقی تربیت کے حوالے سے جو بات بھی اپنے بچوں میں پیدا کرنا چاہتے ہیں، پہلے اسے ان کے شعور کا حصہ بنائیں۔ سختی، دھونس، دباؤ، زبردستی اور جبر کے تمام طریقے ترک کر دیں۔ ان کے علم کو اور ان کے فہم کو بہتر کریں۔ اور سقراط کی اس بات کو پلے باندھ لیں کہ صحیح علم ہی سے صحیح عمل

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

تک رسائی حاصل کی جا سکتی ہے۔اس کے ساتھ ساتھ وہ اس بات کا بھی اہتمام کریں کہ بچے اپنا زیادہ سے زیادہ وقت اچھی صحبت میں گزاریں۔ وہ انھیں ایسا پاکیزہ ماحول فراہم کریں کہ بچے غیر محسوس طریقے سے پاکیزگی کو اپناتے چلے جائیں۔اولاد کی تربیت واصلاح کا واحد راستہ یہی ہے۔اس کے علاوہ جو راستہ بھی اختیار کیا جائے گا، وہ گھر کی فضا میں گھٹن یا سرکشی یا منافقت کے سوا کوئی اور چیز پیدا نہیں کر سکے گا۔

(ماہنامہ ''اشراق''، ستمبر۲۰۰۵)

---

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

جاوید احمد غامدی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

آل عمران

(۲۰)

(گزشتہ سے پیوستہ)

كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ، تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ، وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ، وَتُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ، وَلَوْ اٰمَنَ اَهْلُ الْكِتٰبِ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ، مِنْهُمُ

(ایمان والو، اِس وقت تو اللہ کی عنایت سے) تم ایک بہترین جماعت ہو جو لوگوں (پر حق کی شہادت) کے لیے برپا کی گئی ہے۔ تم بھلائی کی تلقین کرتے ہو، برائی سے روکتے ہو اور اللہ پر سچا ایمان رکھتے ہو۔[۱۸۰] اور یہ اہل کتاب بھی (قرآن پر) ایمان لاتے تو اِن کے لیے بہتر ہوتا۔[۱۸۱] (اِس میں شبہ نہیں

[۱۸۰] یہ بنی اسمٰعیل کے لیے تسلی اور بشارت ہے کہ ایمان و عمل کے لحاظ سے اس وقت وہ خیر امت ہیں، لہٰذا ان کا کوئی دشمن بھی ان کا بال بیکا نہیں کر سکتا۔ اللہ تعالیٰ کا یہی قانون بنی اسرائیل کے لیے بھی تھا، لیکن افسوس کہ ان کی نافرمانیوں نے انھیں ہمیشہ کے لیے اللہ کے غضب کا مستحق بنا دیا ہے۔ اس میں، ظاہر ہے کہ بنی اسمٰعیل کے لیے بھی تنبیہ ہے کہ دنیا کی امامت کا جو منصب انھیں حاصل ہوا ہے، اس پر وہ محض نسل و نسب کی بنا پر نہیں، بلکہ علم و عمل میں نیکی اور خیر کے علم بردار ہونے کی وجہ سے سرفراز ہوئے ہیں، لہٰذا ان کا یہ منصب صفات اور ذمہ داریوں کے ساتھ مشروط ہے۔ وہ ان ذمہ داریوں کے پورا کرنے والے ہوں گے تو یہ سرفرازی انھیں حاصل رہے گی اور ان سے گریز کریں گے تو لازماً اسی انجام کو پہنچیں گے جس کو یہ اہل کتاب اللہ تعالیٰ کی طرف سے بار بار کی تنبیہ کے باوجود پہنچ چکے

الْمُؤْمِنُوْنَ، وَاَكْثَرُهُمُ الْفٰسِقُوْنَ ﴿۱۱۰﴾ لَنْ يَّضُرُّوْكُمْ اِلَّآ اَذًى، وَاِنْ
يُّقَاتِلُوْكُمْ يُوَلُّوْكُمُ الْاَدْبَارَ، ثُمَّ لَا يُنْصَرُوْنَ ﴿۱۱۱﴾ ضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ
اَيْنَ مَا ثُقِفُوْٓا، اِلَّا بِحَبْلٍ مِّنَ اللّٰهِ، وَحَبْلٍ مِّنَ النَّاسِ، وَبَآءُوْ بِغَضَبٍ مِّنَ
اللّٰهِ، وَضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الْمَسْكَنَةُ. ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ،

کہ) اِن میں ماننے والے بھی ہیں، لیکن (افسوس کہ) زیادہ نافرمان ہی ہیں۔ یہ تمھیں کچھ اذیت دے سکتے ہیں، اس کے سوا یہ تم کو ہرگز کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتے۔ اور (مطمئن رہو کہ) اگر یہ تم سے لڑیں گے تو لازماً پیٹھ دکھائیں گے۔ پھر اِن کو کہیں سے کوئی مدد نہ ملے گی۔[۱۸۲] اِنھیں جہاں دیکھیے، اِن پر ذلت کی مار ہے۔ اللہ کی طرف سے اور لوگوں کی طرف سے کسی معاہدے کے تحت کوئی سہارا، البتہ مل جاتا ہے۔ یہ اللہ کا غضب لے کر لوٹے ہیں اور اِن پر پست ہمتی تھوپ دی گئی ہے۔[۱۸۳] اِس کی وجہ یہ ہے

ہیں۔

[۱۸۱] اس جملے کے اندر جو ابہام و اجمال ہے، وہ استاذ امام کے الفاظ میں متکلم کے اس غضب کا غماز ہے جس کے الفاظ متحمل نہیں ہو سکتے تھے۔

[۱۸۲] یہ پیشین گوئی حرف بہ حرف پوری ہوئی اور سرزمین عرب میں ان کے تمام قبائل ایسے ذلیل و خوار ہوئے کہ ہر طرف سے بالکل بے یار و مددگار ہو کر رہ گئے اور ذلت کے ساتھ وہاں سے نکال دیے گئے۔

[۱۸۳] مطلب یہ ہے کہ صرف یہاں نہیں، بلکہ دنیا میں ہر جگہ یہ اسی طرح ذلیل ہیں اور قیامت تک اسی طرح ذلیل و خوار رہیں گے۔ ذریت ابراہیم کے بارے میں اللہ کا قانون یہی ہے کہ وہ حق پر قائم ہوں تو ان کے لیے دنیا ہی میں سرفرازی کا وعدہ ہے اور اس سے انحراف کریں تو اس کی سزا بھی انھیں دنیا ہی میں مل جاتی ہے۔ استاذ امام لکھتے ہیں:

> ”... یہ یہود کی شامت اعمال اور ان کی بدبختی کا بیان ہے کہ جہاں سے ان کو عزت و سرفرازی کی دولت دو جہاں لے کے لوٹنا تھا، یہ اپنی دوں ہمتی کی وجہ سے وہاں سے خدا کا غضب لے کر لوٹے، جس کے نتیجے میں ان پر ذلت مسلط کر دی گئی۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو منصب امامت و شہادت پر مامور فرمایا تھا۔ اگر یہ اس کی ذمہ داریاں ادا کرتے اور اپنے عہد پر استوار رہتے تو دنیا اور آخرت، دونوں میں ان کا مقام بہت اونچا تھا، لیکن یہ اپنی دنیا پرستی اور پست ہمتی کی

وَيَقْتُلُوْنَ الْاَنْبِيَآءَ بِغَيْرِ حَقٍّ. ذٰلِكَ بِمَا عَصَوْا وَّكَانُوْا يَعْتَدُوْنَ ﴿۱۱۲﴾
لَيْسُوْا سَوَآءً، مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اُمَّةٌ قَآئِمَةٌ، يَّتْلُوْنَ اٰيٰتِ اللّٰهِ اٰنَآءَ الَّيْلِ،
وَهُمْ يَسْجُدُوْنَ ﴿۱۱۳﴾ يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ، وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ، وَيَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ،
وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ، وَيُسَارِعُوْنَ فِي الْخَيْرٰتِ، وَاُولٰٓئِكَ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۱۱۴﴾
وَمَا يَفْعَلُوْا مِنْ خَيْرٍ فَلَنْ يُّكْفَرُوْهُ، وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ بِالْمُتَّقِيْنَ ﴿۱۱۵﴾

کہ یہ اللہ کی آیتوں کے منکر رہے ہیں اور اُس کے پیغمبروں کو ناحق قتل کرتے رہے ہیں، اِس لیے کہ اِنھوں نے نافرمانی کی اور یہ ہمیشہ حد سے بڑھتے رہے ہیں۔[۱۸۴] ۱۱۰۔۱۱۲

(یہ بات، البتہ واضح رہے کہ) سب اہل کتاب یکساں نہیں ہیں۔ اِن میں ایک گروہ اپنے عہد پر قائم ہے۔[۱۸۵] وہ راتوں کو اللہ کی آیتیں تلاوت کرتے اور (اُس کے سامنے) سجدہ ریز رہتے ہیں۔ اللہ پر اور قیامت کے دن پر سچا ایمان رکھتے ہیں، نیکی کی تلقین کرتے اور برائی سے روکتے ہیں، بھلائی کے کاموں میں سبقت کرتے ہیں اور وہ خدا کے نیک بندوں میں سے ہیں۔ (اِس میں شبہ نہیں کہ وہ حق کے سچے طالب ہیں) اور (اپنے اِس رویے کے صلے میں) جو نیکی بھی کریں گے، اُس کے اجر سے محروم نہ ہوں گے[۱۸۶] اور اللہ اِن پرہیز گاروں سے خوب واقف ہے۔ ۱۱۳۔۱۱۵

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

وجہ سے اس کی ذمہ داریاں نہ سنبھال سکے اور خدا کے غضب کے مستحق ٹھہرے۔" (تدبر قرآن ۲/ ۱۶۲)

[۱۸۴] اللہ کی آیتوں کے انکار اور انبیا علیہم السلام کے قتل کا جو جرم ان سے سرزد ہوا، یہ اس کا سبب بیان ہوا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ نافرمانی اور حدود الٰہی سے تجاوز کی عادت ہی اس کا باعث ہوئی کہ یہ ایسے بدترین جرائم کے مرتکب ہو گئے۔

[۱۸۵] یعنی انبیا علیہم السلام کی تصدیق اور ان کی لائی ہوئی شریعت کی پابندی کا جو عہد انھوں نے اپنے پروردگار کے ساتھ باندھا تھا، اس پر پوری طرح قائم ہیں۔

[۱۸۶] اصل میں 'فلن یکفروہ' کے الفاظ آئے ہیں۔ ان میں فعل 'کفر' دو مفعولوں کی طرف متعدی ہوا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ یہاں یہ 'حرمان' کے مفہوم پر متضمن ہے۔ مدعا یہ ہے کہ یہ اہل کتاب اگرچہ ابھی اسلام

اِنَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا لَنْ تُغْنِیَ عَنْھُمْ اَمْوَالُھُمْ، وَلَآ اَوْلَادُھُمْ مِّنَ اللّٰہِ شَیْءًا،
وَاُولٰٓءِکَ اَصْحٰبُ النَّارِ، ھُمْ فِیْھَا خٰلِدُوْنَ ﴿۱۱۶﴾ مَثَلُ مَا یُنْفِقُوْنَ فِیْ ھٰذِہِ
الْحَیٰوۃِ الدُّنْیَا، کَمَثَلِ رِیْحٍ فِیْھَا صِرٌّ، اَصَابَتْ حَرْثَ قَوْمٍ ظَلَمُوْٓا اَنْفُسَھُمْ،
فَاَھْلَکَتْہُ، وَمَا ظَلَمَھُمُ اللّٰہُ، وَلٰکِنْ اَنْفُسَھُمْ یَظْلِمُوْنَ ﴿۱۱۷﴾

(اِس کے برخلاف) جن لوگوں نے فیصلہ کرلیا ہے کہ منکر ہی رہیں گے، اُن کے مال واولاد[۱۸۷] اللہ کے مقابل میں اُن کے کچھ بھی کام نہ آئیں گے اور وہ دوزخ کے لوگ ہیں، اُس میں ہمیشہ رہیں گے۔ اِس دنیا کی زندگی میں جو کچھ وہ (بظاہر اللہ کی راہ میں) خرچ کرتے ہیں، اُس کی تمثیل ایسی ہے کہ پالے کی ہوا ہو جو اُن لوگوں کی کھیتی پر چل جائے جنھوں نے اپنے اوپر ظلم کیا ہو اور اُنھیں ہلاک کر دے۔[۱۸۸] (یہ اِسی کے سزاوار ہیں) اور (حقیقت یہ ہے کہ) اللہ نے ان پر کوئی ظلم نہیں کیا، بلکہ یہ آپ ہی اپنے اوپر ظلم کرتے رہے ہیں۔ ۱۱۶-۱۱۷

www.javedahmadghamidi.org
www.al-mawrid.org

نہیں لائے ہیں، لیکن اندر سے بالکل مومن صادق ہیں، لہٰذا ان کی کوئی نیکی بھی اجر سے محروم نہ رہے گی۔ اللہ تعالیٰ جانتے بوجھتے حق سے انکار کرنے والوں کے سوا کسی کو بھی اس کی نیکیوں کے صلے سے محروم نہیں کرتے۔

[۱۸۷] یعنی وہ مال واولاد جو خدا اور اس کے پیغمبروں کی تعلیمات سے بے پروائی کا باعث ہے۔

[۱۸۸] اوپر جس طرح یہ بیان کیا ہے کہ حق کے سچے طالبوں کی کوئی نیکی بھی صلے سے محروم نہ ہوگی، اسی طرح یہاں بیان فرمایا ہے کہ جانتے بوجھتے حق کا انکار کر دینے والوں کی کوئی نیکی بھی ان کے کام نہ آئے گی۔ صدقہ اور خیرات ایک بڑی نیکی ہے، لیکن اس کی مثال بھی قیامت میں اس کھیتی کی ہوگی جس پر پالے والی ہوا چل جائے اور اس کو تباہ و برباد کر کے رکھ دے۔

[باقی]

معز امجد

عرب کی سب سے بہتر خواتین

روى[1] أنه قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: خير نساء ركبن الإبل صالح نساء قريش[2] أحناه على ولد في صغره[3] وأرعاه على زوج في ذات يده[4].

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اونٹ کی سواری کرنے والی عورتوں[1] میں سے سب سے بہتر قریش کی صالح عورتیں ہیں[2]۔ وہ اپنے بچے کی ابتدائی عمر میں اس پر بہت مہربان اور اپنے شوہر کے مال کا زیادہ خیال رکھنے والی ہیں[3]۔

ترجمے کے حواشی

۱۔ اونٹ پر سواری کرنے والیوں سے یہاں عرب عورتیں مراد ہیں۔

۲۔ مسلم، رقم ۲۵۲۷ کے مطابق نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بات اس وقت ارشاد فرمائی جب حضرت ام ہانی رضی اللہ عنہا نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے شادی کرنے سے محض اس لیے معذرت کر لی کہ وہ اپنی تمام تر توجہ اپنے چھوٹے بچوں کی تربیت پر مرکوز کر سکیں اور کہیں پہلے شوہر سے ان کے بچے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دن رات تنگ نہ

کریں۔

۳۔ یہاں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بات کی وضاحت کی ہے کہ قریش کی خواتین کا عرب کی سب خواتین سے بہتر ہونا اس وجہ سے ہے، کیونکہ وہ اپنے بچوں کے لیے بہترین مائیں اور اپنے شوہروں کے لیے بہترین بیویاں ہیں۔ ظاہر ہے ایک صحت مند گھرانے کے پہلو سے کسی خاتون کے سب سے اہم اوصاف یہی ہیں۔

متن کے حواشی

۱۔ یہ روایت بعض اختلافات کے ساتھ درج ذیل مقامات پر نقل ہوئی ہے:

بخاری، رقم ۳۲۵۱، ۴۷۹۴، ۵۰۵۰۔ مسلم، رقم ۲۵۲۷۔ احمد بن حنبل، رقم ۲۹۲۶، ۷۶۳۷، ۷۶۹۵، ۸۲۲۷، ۹۱۰۲، ۹۷۹۶، ۱۰۰۶۱، ۱۰۵۳۲، ۱۶۹۷۱۔ ابن حبان، رقم ۶۲۶۷، ۶۲۶۸۔ نسائی سنن الکبریٰ، رقم ۹۱۳۴۔ بیہقی، رقم ۱۴۴۹۳۔ ابویعلیٰ، رقم ۲۶۸۶، ۶۶۷۳۔ حمیدی، رقم ۱۰۴۷۔ عبدالرزاق، رقم ۲۰۶۰۳، ۲۰۶۰۴۔ ابن ابی شیبہ، رقم ۳۲۴۰۱، ۳۲۴۰۲، ۳۲۴۰۳۔

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

۲۔ بعض روایات مثلاً بخاری، رقم ۳۲۵۱ میں 'خیر نساء رکبن الإبل صالح نساء قریش' (اونٹ کی سواری کرنے والی عورتوں میں سے سب سے بہتر قریش کی صالح عورتیں ہیں) کے بجائے 'نساء قریش خیر نساء رکبن الإبل' (اونٹ کی سواری کرنے والی عورتوں میں سے سب سے بہتر قریش کی عورتیں ہیں) کے الفاظ، جبکہ احمد بن حنبل، رقم ۲۹۲۶ میں 'خیر نساء رکبن أعجاز الإبل صالح نساء قریش' (اونٹ کی پشت پر سواری کرنے والی عورتوں میں سے سب سے بہتر قریش کی صالح عورتیں ہیں) کے الفاظ، احمد بن حنبل، رقم ۷۶۳۷ میں 'خیر نساء رکبن نساء قریش' (سواری کرنے والی عورتوں میں سے سب سے بہتر قریش کی عورتیں ہیں) کے الفاظ، احمد بن حنبل، رقم ۱۶۹۷۱ میں 'خیر نسوۃ رکبن الإبل صالح نساء قریش' (اونٹ کی سواری کرنے والی عورتوں میں سے سب سے بہتر قریش کی صالح عورتیں ہیں) کے الفاظ اور ابن ابی شیبہ، رقم ۳۲۴۰۳ میں 'خیر نساء رکبن الإبل صالحۃ نساء قریش' (اونٹ کی سواری کرنے والی عورتوں میں سے سب سے بہتر قریش کی صالح عورتیں ہیں) کے الفاظ روایت ہوئے ہیں۔

۳۔ بعض روایات مثلاً بخاری، رقم ۳۲۵۱ میں 'أحناہ علی ولد فی صغرہ' (وہ بچے کی ابتدائی عمر میں اس کی

بہتر نگہداشت کرنے والی ہیں) کے بجائے 'أحناه علی طفل' (وہ بچے کا زیادہ خیال رکھنے والی ہیں) کے الفاظ، جبکہ مسلم، رقم ۲۵۲۷ میں 'أحناه علی یتیم فی صغره' (وہ یتیم بچے کی زیادہ نگہداشت کرنے والی ہیں) کے الفاظ اور احمد بن حنبل، رقم ۹۱۰۲ میں 'أحناه علی ولد' (وہ بچے کی زیادہ نگہداشت کرنے والی ہیں) کے الفاظ نقل ہوئے ہیں۔

۴۔ بعض روایات مثلاً احمد بن حنبل، رقم ۸۶۹۵ میں 'أرعاه علی زوج' (وہ شوہر کی زیادہ نگہداشت کرنے والی ہیں) کے بجائے 'أرعاه لزوج' (وہ شوہر کے لیے زیادہ نگہداشت کرنے والی ہیں) کے الفاظ، جبکہ ابو یعلیٰ، رقم ۲۶۸۶ میں 'أرعاه علی بعل' (وہ خاوند کا زیادہ خیال رکھنے والی ہیں) کے الفاظ روایت ہوئے ہیں۔

۵۔ ابن حبان، رقم ۶۲۶۸ میں 'ولم ترکب مریم بنت عمران بعیرا قط' (مریم بنت عمران نے کبھی اونٹ کی سواری نہیں کی) کے الفاظ کا اضافہ روایت ہوا ہے، تاہم بہت سی دوسری روایات بشمول بخاری، رقم ۳۲۵۱ سے یہ واضح ہے کہ یہ جملہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بات کا حصہ نہیں، بلکہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے وضاحت ہے۔

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

احمد بن حنبل، رقم ۱۰۰۶۱ میں یہ روایت اس طرح نقل ہوئی ہے:

روی أن رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم قال: خیر نساء رکبن الإبل أحناه علی ولده وأرعاه علی زوج فی ذات یده یعنی نساء قریش.	''روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اونٹ کی سواری کرنے والی عورتوں میں سے سب سے بہتر وہ ہیں جو بچے کی ابتدائی عمر میں اس کا زیادہ خیال رکھنے والی اور اپنے شوہر کے مال کی زیادہ نگہداشت کرنے والی ہوں، یعنی قریش کی عورتیں۔''

بعض روایات مثلاً احمد بن حنبل، رقم ۲۹۲۶ میں اس روایت کا پس منظر قدرے تفصیل سے نقل ہوا ہے:

روی أن رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم خطب امرأة من قومه یقال لها سودة وکانت مصبیة کان لها خمسة صبیة أو ستة من بعل لها مات. فقال لها رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم: ما یمنعك منی؟ قالت واللّٰه، یا نبی اللّٰه،	''روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے قبیلے کی سودہ نامی خاتون کو نکاح کا پیغام بھیجا۔ اس خاتون کے پہلے فوت شدہ شوہر سے پانچ یا چھ بچے تھے۔ (اس نے آپ سے شادی کرنے سے معذرت کر لی) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے پوچھا: مجھ سے شادی کرنے سے تمھیں کس چیز نے روکا؟ اس

ما يمنعني منك أن لا تكون أحب البرية الي، ولكني أكرمك أن يضغوا هؤلاء الصبية عند رأسك بكرة وعشية. قال: فهل منعك مني شيء غير ذلك؟ قالت لا، والله. قال لها رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: يرحمك اللّٰه ان خير نساء ركبن أعجاز الإبل صالح نساء قريش، أحناه على ولد في صغر وأرعاه على بعل بذات يد.

نے جواب دیا: خدا کی قسم، اے اللہ کے نبی، آپ سے شادی کرنے سے مجھے یہ چیز روک رہی ہے کہ آپ تو مجھ سے اچھائی کرنا چاہتے ہیں، مگر میں آپ کی تکریم کرتی ہوں کہ میرے یہ بچے دن رات آپ کو تنگ کریں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کیا کوئی اور وجہ بھی ہے؟ خاتون نے جواب دیا: خدا گواہ ہے کہ نہیں۔ تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تم پر رحم فرمائے۔ بے شک اونٹ کی پشت پر سواری کرنے والی عورتوں میں سے سب سے بہتر قریش کی صالح عورتیں ہیں۔ وہ بچے کی ابتدائی عمر میں اس کا زیادہ خیال رکھنے والی اور اپنے شوہر کے مال کی زیادہ نگہداشت کرنے والی ہیں۔"

احمد بن حنبل، رقم ۲۷۶۳ کے مطابق جس خاتون کو آپ نے نکاح کا پیغام بھیجا وہ سیدہ سودہ رضی اللہ عنہا نہیں، بلکہ ام ہانی رضی اللہ عنہا تھیں۔ ناصر الدین البانی صاحب نے بھی سلسلۃ الاحادیث الصحیحہ جلد ۶ صفحہ ۶۳ میں یہی وضاحت کی ہے کہ مذکورہ خاتون اصلاً ام ہانی رضی اللہ عنہا تھیں۔

تخریج : محمد اسلم نجمی

کوکب شہزاد

ترجمہ و ترتیب : اظہار احمد

---

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

طالب محسن

کھانے میں برکت

(مسلم، رقم ۲۷)

عن أبی هريرة رضی اللّٰه عنه قال: كنا مع النبی صلی اللّٰه عليه وسلم فی مسير. قال: فنفدت أزواد القوم. قال: حتی وهم بنحر بعض حمائلهم. قال: فقال عمر: يا رسول اللّٰه، لو جمعت ما بقی من أزواد القوم فدعوت اللّٰه عليها. قال: ففعل. قال: فجاء ذوالبر ببره، وذوالتمر بتمره. قال: وقال مجاهد: وذوالنواة بنواه. قلت: وما كانوا يصنعون بالنوی؟ قال: قالوا يمصونه ويشربون عليه الماء. قال: فدعا عليها. حتی ملأ القوم أزودتهم. قال: فقال عند ذلك: أشهد أن لا إله إلا اللّٰه وأنی رسول اللّٰه. لا يلقی اللّٰه بهما عبد غير شاك فيهما إلا دخل الجنة.

''حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم ایک سفر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے۔ لوگوں کا زادراہ ختم ہونے کو آ گیا۔ یہاں تک کہ وہ اپنی سواریوں کو ذبح کرنے کا سوچنے لگے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: کیوں نہ آپ زادراہ میں سے جو کچھ بچ رہا ہے، اسے جمع کریں

www.al-mawrid.org www.javedahmadghamidi.com

اوراس میں برکت کے لیے اللہ سے دعا کریں۔ آپ نے ایسا ہی کیا۔ چنانچہ جو والا جو لے آیا اور کھجور والا کھجور۔ مجاہد نے اضافہ کیا کہ گٹھلیوں والا گٹھلیاں لے آیا۔ میں نے پوچھا: وہ گٹھلیوں کا کیا کرتے تھے۔ کہا: وہ انھیں چوستے تھے اور بعد میں پانی پی لیتے تھے۔ (جب یہ سب جمع ہو گیا) تو (نبی صلی اللہ علیہ وسلم) نے ان پر دعا کی۔ (اب لوگوں نے لینا شروع کیا) یہاں تک کہ سب نے اپنے لیے زادسفر بھر لیا۔ آپ نے اس موقع پر فرمایا: میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی الٰہ نہیں اور یہ کہ میں اللہ کا رسول ہوں۔ ان دو باتوں کو مان کر جو بھی اللہ تعالیٰ سے ملے گا جنت میں جائے گا۔''

عن أبی هريرة أو عن أبی سعيد شك الأعمش قال: لما كان غزوة تبوك أصاب الناس مجاعة. قالوا: يا رسول الله، لو أذنت لنا فنحرنا نواضحنا فأكلنا وادهنا. فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم: افعلوا؟ قال: فجاء عمر فقال: يا رسول الله، إن فعلت قل الظهر. ولكن ادعهم بفضل أزوادهم، ثم ادع الله لهم عليها بالبركة. لعل الله أن يجعل فی ذلك. فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم: نعم. قال: فدعا بنطع فبسطه. ثم دعا بفضل أزوادهم. قال فجعل الرجل يجئ بكف ذرة. قال ويجئ الآخر بكف تمر. ويجئ الآخر بكسرة حتى اجتمع على النطع من ذلك شئ يسير. قال: فدعا رسول الله صلى الله عليه وسلم عليه بالبركة ثم قال خذوا فی أوعيتكم. فأخذوا فی أوعيتهم حتى ما تركوا فی العسكر وعاء الا ملأوه. قال: فأكلوا حتى شبعوا وفضلت فضلة. فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم أشهد أن لا إله إلا الله وأنی رسول الله لا يلقى الله بهما عبد غير شاك فيحجب عن الجنة.

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

’’اعمش نے شک کے ساتھ کہا کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ یا ابوسعید رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب غزوۂ تبوک کا سفر پیش آیا تو لوگوں کو فاقے نے آ لیا۔ لوگوں نے حضور سے کہا: یا رسول اللہ، اگر آپ اجازت دیں تو ہم سواری کے اونٹ ذبح کر لیں تاکہ ان کا گوشت کھائیں اور ان کے روغن سے فائدہ اٹھائیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا: کر لو۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ آپ کے پاس آئے اور کہا: یا رسول اللہ، اگر آپ نے یہ کیا تو پیٹھیں (یعنی سواریاں) کم ہو جائیں گی۔ اس کے بجائے آپ ان کے بچے ہوئے زادِ راہ منگوایے اور اس پر اللہ سے برکت کی دعا کیجیے تاکہ اللہ تعالیٰ اس میں برکت ڈالیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ ٹھیک ہے۔ چنانچہ آپ نے ایک کھال کی چٹائی منگوائی اور اسے بچھا دیا پھر بچے ہوئے زادِ راہ منگوائے۔ چنانچہ ایک مٹھی بھر مکئی، دوسرا مٹھی بھر کھجور اور کوئی مٹھی بھر روٹی کے ٹکڑے لے آیا۔ یہاں تک کہ کھال پر چھوٹی سی ڈھیری لگ گئی۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا کی اور فرمایا: اسے اپنے برتنوں میں بھر لو چنانچہ لوگوں نے اپنے برتن بھر لیے۔ لشکر میں کوئی برتن نہیں بچا جسے انھوں نے نہ بھرا ہو۔ پھر انھوں نے کھایا اور سیر ہو گئے۔ اضافی کھانا پھر بھی بچا ہوا تھا۔ اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی الٰہ نہیں اور میں اللہ کا رسول ہوں۔ ان دو باتوں میں شک نہ کرنے والا اللہ تعالیٰ سے اس طرح نہیں ملے گا کہ اسے جنت سے روک دیا جائے۔‘‘

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

لغوی مباحث

حمائلھم: ’حمائل‘، ’حمولة‘ کی جمع ہے۔ اس سے مراد سواری کے اونٹ ہیں۔ نووی نے بیان کیا ہے کہ بعض روایات میں یہ جیم کے ساتھ ہے۔ اس صورت میں یہ ’جمالة‘ کی جمع ہے اور ’جمالة‘، ’جمل‘ (اونٹ) کی جمع ہے۔

النواۃ: کھجور کی گٹھلیاں۔ سوال یہ ہے کہ اس کا خوراک کے طور پر کیوں ذکر آیا ہے۔ اس کا جواب روایت ہی میں

یہ دیا گیا ہے کہ لوگ ان کو چوستے رہتے تھے اور اس پر پانی پی لیتے تھے۔ بظاہر یہ محسوس ہوتا ہے کہ یہ خوراک کی عدم دستیابی کی صورت میں کھانے کی خواہش کو بہلانے کا ایک طریقہ ہے۔

أزودة : یہ 'زاد' کی جمع ہے اور اس سے مراد وہ سامان ہے جو مسافر راستے کی ضرورتوں کے لیے اپنے ساتھ رکھتا ہے۔ اس روایت میں یہ برتن کے معنی میں آیا ہے۔ یعنی یہاں مظروف بول کر ظرف مراد لیا گیا ہے۔

تبوك: تبوک شام کے قریب ایک علاقہ ہے، جہاں خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی قیادت میں ایک غزوہ ہوا تھا۔

نواضحنا: 'نواضح'، 'ناضحة' کی جمع ہے اور یہ بار برداری کی اونٹنی کے لیے بولا جاتا ہے۔

نطع: چمڑے کی چٹائی۔ نووی میں لکھا ہے: اس کا مشہور تلفظ 'نِطَعٌ' ہے لیکن اسے 'نِطْعٌ'، 'نَطَعٌ' اور 'نَطْعٌ' بھی پڑھا جاتا ہے۔

ذُرَة : صاحب مصباح اللغات نے یہ لفظ 'ذری' کے تحت دیا ہے اور اس کا اردو مترادف مکئی لکھا ہے۔ عربی سے انگریزی لغت المورد میں بھی اس کے معنی مکئی ہی بتائے گئے ہیں۔ جبکہ شارح مسلم شبیر احمد عثمانی نے اس کا ہندی مترادف چینا بتایا ہے جو ایک اناج ہے، جس کے دانے چھوٹے اور گول ہوتے ہیں۔ ہم نے اہل لغت ہی کی رائے کے مطابق ترجمہ کیا ہے اور وہی صحیح معلوم ہوتا ہے۔

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

کسرة : یہ ٹکڑے کے معنی میں ایک عام لفظ ہے۔ لیکن اس نوع کے سیاق وسباق میں یہ روٹی کے ٹکڑوں کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ ہم نے ترجمے میں یہی معنی اختیار کیے ہیں۔

شئ یسیر : تھوڑی سی چیز۔ مراد یہ ہے کہ اگرچہ خوراک کی اشیا جمع کی گئیں، اس کے باوجود چھوٹی سی ڈھیری ہی لگی۔

معنی

صاحب مسلم اس روایت کو ایمانیات کے مباحث میں لائے ہیں۔ جس باب میں انھوں نے اس روایت کو درج کیا ہے اس کا عنوان: ''جو توحید پر مرا، وہ یقیناً جنت میں جائے گا'' ہے۔ بخاری میں بھی یہ واقعہ روایت ہوا ہے۔ امام صاحب نے اسے دو ابواب میں نقل کیا ہے۔ ایک باب کا عنوان: ''کھانے میں شرکت ...'' اور دوسرے کا عنوان: ''غزوے میں زاد راہ لینا'' ہے۔ امام بخاری جس چیز کے استشہاد کے لیے اس روایت کو لائے ہیں، بالبداہت واضح ہے کہ وہ اس روایت کے اصل پہلو سے کوئی تعلق نہیں رکھتی اور یہ عنوانات اس جذبے کا مظہر ہیں کہ

دنیوی تدابیر بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت سے اختیار کی جائیں۔ ہمارے خیال میں یہ محض تکلف ہے۔ البتہ، امام مسلم اس روایت کو اس کے آخری حصے میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بیان کی مناسبت سے لائے ہیں۔ ہم جیسا کہ پچھلی روایت میں واضح کر چکے ہیں کہ قرآن مجید ایمان اور عمل صالح، دونوں کو ضروری قرار دیتا ہے۔ ان روایات کے الفاظ بظاہر دوسرے پہلو کی نفی کرتے ہیں، لیکن حقیقت میں ایسا نہیں ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی پوری دعوت اور آپ کے سارے بیانات کو سامنے رکھیں تو یہ واضح ہو جاتا ہے کہ یہ متکلم کا منشا نہیں ہے۔ آپ کی دعوت آپ کے ہر مخاطب پر پوری طرح واضح تھی، لہٰذا آپ کی زبان سے صادر ہونے والے یہ مختصر بیانات اس پوری دعوت کے قبول کرنے ہی کا مفہوم رکھتے ہیں۔ توحید اور رسالت پر ایمان چونکہ اس دعوت کا سر عنوان ہے، لہٰذا بالعموم اس نوع کی روایات میں اسی کا ذکر ملتا ہے۔ ایمان ہی کی جڑ پر اسلام کا شجر قائم ہے۔ جب ایمان کا ذکر کر دیا تو باقی بات آپ سے آپ اس میں شامل ہے۔

بعض روایات میں ذرہ برابر ایمان کو جہنم سے نکلنے کا سبب بتایا گیا ہے۔ اس روایت کو پڑھ کر خیال ہوتا ہے کہ ممکن ہے یہ بھی اسی حقیقت کو بیان کر رہی ہو۔ لیکن ہمارے خیال میں یہاں متکلم کا منشا یہ نہیں ہے۔

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

اس روایت کی اصل بات غزوۂ تبوک کے سفر میں ظاہر ہونے والے ایک معجزے کا بیان ہے۔ خوراک جب ختم ہو گئی تو آپ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی تجویز پر بچا ہوا سامان جمع کرایا۔ اس میں برکت کے لیے اللہ تعالیٰ سے دعا کی۔ وہ دعا قبول ہوئی اور تھوڑی سی خوراک سے لشکر نے معجزانہ طور پر اپنی ضروریات بھی پوری کر لیں یعنی اسے کھانے کے بعد آیندہ کے لیے ذخیرہ بھی کر لیا۔ اس کے باوجود خوراک بچ گئی۔

اس واقعے سے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ کی جو معیت حاصل تھی، اس کا اظہار ہوتا ہے۔ یہی وہ چیز ہے جو پیغمبر کو دوسرے رہنماؤں سے ممتاز کرتی ہے۔ جب یہ چیز اس شان کے ساتھ ظاہر ہوئی تو آپ نے بجا طور پر کہا کہ جسے توحید اور میری رسالت پر سچا ایمان حاصل ہو گیا، وہ اللہ تعالیٰ سے جنت ہی پائے گا۔ اس سیاق وسباق سے واضح ہے کہ آپ کی دعوت کو ماننے اور قبول کرنے کی بات ہے۔

شارحین نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے مشورہ دینے کو بھی موضوع بنایا ہے۔ ان کے خیال میں اس روایت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ چھوٹا بھی بڑے کو مشورہ دے سکتا ہے۔ یہ بھی درحقیقت اسی جذبے کی مثال ہے جسے ہم اوپر بخاری کے عنوانات کے حوالے سے بیان کر چکے ہیں۔

متون

امام مسلم نے اس روایت کے دو متون نقل کیے ہیں۔ کتب حدیث میں زیادہ تر یہی متن نقل ہوئے ہیں۔ ان متون میں چند لفظی فرق ہیں مثلاً، پہلی روایت میں 'حتی ھم بنحر' کے الفاظ ہیں۔ سنن کبریٰ میں 'حتی ھم' کے بجائے 'فھم' آیا ہے۔ دوسری روایت میں مسلم کے متن کے مطابق حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضور کو کہا تھا 'ان فعلت قل الظھر'۔ جبکہ اس روایت کے دوسرے متون میں فعل کی نسبت دوسروں سے ہے اور حضرت عمر کے الفاظ 'ان فعلوا قل الظھر' تھے۔ اسی طرح ان روایات میں 'ذرہ'، 'تمر' اور 'کسرہ' کے الفاظ معرف باللام آئے ہیں۔ اس روایت کے ایک متن میں روٹی کے ٹکڑے لانے کا ذکر نہیں ہے۔

صحیح بخاری میں یہ واقعہ دو جگہ پر بیان ہوا ہے۔ امام بخاری نے جس متن کو ترجیح دی ہے، وہ ان دونوں متون سے کافی مختلف ہے۔ ہم یہاں یہ پورا متن نقل کر رہے ہیں:

عن سلمة رضى الله عنه قال: خفت أزواد القوم وأملقوا . فأتوا النبى صلى الله عليه وسلم فى نحر إبلهم . فأذن لهم. فلقيهم عمر فأخبروه . فقال: ما بقاؤكم بعد إبلكم . فدخل على النبى صلى الله عليه وسلم، فقال يا رسول الله، ما بقاؤهم بعد إبلهم. فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم ناد فى الناس فيأتون بفضل أزوادهم فبسط لذلك نطع. وجعلوه على النطع. فقام رسول الله صلى الله عليه وسلم فدعا وبرك عليه . ثم دعاهم بأوعيتهم فاحتثى الناس حتى فرغوا . ثم قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: أشهد أن لا إله الا الله وأنى

''حضرت سلمہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ لوگوں کا زادراہ کم ہو گیا اور وہ خوراک کے معاملے میں شدید احتیاج میں مبتلا ہو گئے۔ چنانچہ وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اونٹوں کو ذبح کرنے کی تجویز لے کر آئے۔ آپ نے ان کو اجازت دے دی۔ ان لوگوں کو حضرت عمر ملے تو انھوں نے ان کو بتا دیا۔ حضرت عمر نے کہا: اونٹوں کے بعد تمھارے پاس باقی کیا بچے گا۔ حضرت عمر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور آپ سے کہا: یا رسول اللہ اونٹوں کے بعد ان کے پاس کیا بچے گا؟ آپ نے کہا: لوگوں میں اعلان کر دو کہ وہ بچا ہوا زادراہ لے آئیں۔ چنانچہ ایک چمڑے کی چٹائی بچھا دی گئی اور لوگوں نے سامان اس کے اوپر رکھ دیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہوئے اور اس میں برکت کے لیے دعا کی۔ پھر لوگوں سے کہا برتن لاؤ۔ لوگ ہاتھوں سے برتن بھرتے رہے، یہاں

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

رسول اللّٰہ. (رقم ۲۳۵۲)

تک کہ سب فارغ ہو گئے۔ یہ دیکھ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی الٰہ نہیں اور میں اللہ کا رسول ہوں۔''

اس روایت اور دیگر روایتوں میں بنیادی فرق یہ ہے کہ اس کے مطابق دعا کی تجویز حضرت عمر کی نہیں تھی۔

کتابیات

بخاری، رقم ۲۳۵۲، ۲۸۲۰۔ احمد، رقم ۱۱۰۹۵۔ سنن کبریٰ، رقم ۸۷۹۴۔ ابویعلیٰ، رقم ۱۱۹۹۔ ابن حبان، رقم ۶۵۳۰۔

---

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

ساجد حمید

جس نے رکعت پالی

[۱۵] حدثنی یحیی عن مالك عن بن شهاب عن ابی سلمة بن عبدالرحمن عن ابی هریرة:

ان رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم قال: من أدرك ركعة من الصلاة فقد أدرك الصلاة.

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ

''نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، جس نے ایک رکعت پالی، اس نے نماز پالی۔''

شرح

مفہوم و مدعا

اس جملے کے تین معنی ممکن ہیں۔ اس لیے کہ اسے متعین کرنے کے لیے سیاق وسباق متن میں موجود نہیں ہے:

۱۔ جس نے رکوع پالیا، اس نے نماز (کی رکعت) پالی۔

۲۔ جس نے ایک رکعت پالی، اس نے جماعت پالی۔

۳۔ جس نے (وقت کے اندر) ایک رکعت پالی، اس نے ساری نماز (وقت کے اندر) پالی۔

الفاظ کی حد تک دوسرا اوراس سے بھی بڑھ کر تیسرا مفہوم زیادہ مناسب معلوم ہوتا ہے۔لیکن اس باب میں جو روایتیں آگے آرہی ہیں، ان سے معلوم ہوتا ہے کہ امام مالک نے اسے پہلے یا دوسرے معنی میں لیا ہے۔

تیسرے مفہوم کے حق میں یہ بات کہی جاسکتی ہے کہ یہ روایت اوقات نماز کے باب میں آئی ہے۔اس لیے یہ یقیناً وقت ہی سے متعلق ہے،لیکن یہ بات بھی غلط نہیں ہے کہ اس باب میں ساری روایتیں دراصل نماز کے چھوٹ جانے سے ہی متعلق ہیں۔اس لیے زیادہ بہتر بات یہی ہے کہ اسے اسی معنی میں لیا جائے کہ جس نے صرف ایک رکعت پائی، اس نے جماعت کا ثواب پا لیا۔اس معنی میں بھی ان روایتوں کا ایک تعلق وقت ہی سے ہے یعنی جب آدمی نماز میں شامل ہونے میں تاخیر کرے گا تو نماز کی رکعت وغیرہ کے چھوٹنے کا امکان ہوگا۔

چنانچہ امام مالک کے نزدیک اس روایت کا مضمون یہ ہے کہ جو امام کے پیچھے ایک رکعت بھی پڑھ لے، اسے جماعت میں شامل ہونے کا ثواب مل جائے گا۔ یہاں فضیلت پیش نظر نہیں ہے،اس لیے کہ جس نے پہلی رکعت پائی ہے،اس کا ثواب یقیناً اس آدمی سے زیادہ ہوگا جو آخری رکعت میں شامل ہوا ہے۔

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

لغوی مسائل

فقد أدرك الصلٰوة: تو اس نے نماز پالی۔ یہ مجاز کا اسلوب ہے۔اس اسلوب کی وضاحت پیچھے موطا کی پانچویں روایت میں ہوگئی ہے۔

درایت

قرآن وسنت سے تعلق

یہ روایت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بیان کردہ فرعی مسائل میں سے ہے۔آپ نے جماعت میں ملنے کے آخری وقت کی نشان دہی کی ہے۔یعنی اس میں اصولی اور بنیادی حکم بیان نہیں ہوا، بلکہ ایک فقہی نوعیت کے مسئلے کا حل آپ نے ہمیں دیا ہے۔

جماعت پانے کے لیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے وہی اصول اپنایا ہے جو اس سے پہلے ہم فجر اور عصر کے باب میں پڑھ چکے ہیں کہ جس نے سورج کے ڈوبنے سے پہلے ایک رکعت عصر کی پالی تو اس نے عصر پالی۔یعنی رخصت کا

قاعدہ یہ بنایا گیا ہے کہ اگر آپ ایک رکعت پوری پالیں اور باقی ماندہ نماز پوری کرلیں تو اس کے معنی یہ ہیں کہ آپ نے وہ نماز وقت پر یا جماعت کے تحت ادا کر لی۔

آپ نے اس مقصد کے لیے کم ازکم مقدار ایک رکعت قرار دی ہے۔ اور بتایا ہے کہ جس نے سورج کے طلوع سے پہلے پہلی رکعت کے سجدے پا لیے، اس نے رکعت پالی اور اسی طرح یہ فرمایا کہ جس نے امام کے پیچھے رکوع پالیا، اس نے رکعت پالی۔ اس دوسری بات کو درج ذیل حدیث واضح کرتی ہے:

عن ابی هريرة قال: قال رسول اللّٰه صلی اللّٰه عليه وسلم: اذا جئتم الی الصلاة ونحن سجود فاسجدوا ولا تعدوها شيئا ومن ادرك الركعة فقد ادرك الصلاة۔ (ابوداؤد، رقم ۸۹۳)

''ابوہریرہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تم نماز میں آؤ، اور ہم سجدے میں ہوں تو سجدہ کرو اور اسے کچھ اہمیت نہ دو۔ البتہ، جس نے پوری رکعت پالی تو اس نے نماز پالی۔''

اوپر بیان کردہ پہلی بات کہ جس نے سورج کے طلوع سے پہلے پہلی رکعت کے سجدے پا لیے، اس نے رکعت پالی۔ درج ذیل روایت سے معلوم ہوتی ہے:

عن ابی هريرة قال: قال رسول اللّٰه صلی اللّٰه عليه وسلم: اذا ادرك احدكم سجدة من صلاة العصر قبل ان تغرب الشمس فليتم صلاته واذا ادرك سجدة من صلاة الصبح قبل ان تطلع الشمس فليتم صلاته۔

(بخاری، رقم ۵۳۱)

''ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تم میں سے کوئی سورج ڈوبنے سے پہلے پہلے عصر کی نماز میں سے سجدے تک ایک رکعت پالیتا ہے تو اسے چاہیے کہ وہ نماز مکمل کرے۔ اور جب تم میں سے کوئی طلوع آفتاب سے پہلے پہلے فجر کی نماز میں سے سجدے تک ایک رکعت پالیتا ہے تو اسے چاہیے کہ وہ نماز مکمل کرے۔''

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

احادیث باب پر نظر

اس موضوع پر احادیث کی کتابوں میں درج ذیل روایتیں موجود ہیں جو اس مسئلہ کے کئی پہلوؤں پر روشنی ڈالتی ہیں:

عن ابى هريرة قال: قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: اذا جئتم الى الصلاة ونحن سجود فاسجدوا ولا تعدوها شيئا ومن ادرك الركعة فقد ادرك الصلاة۔ (ابوداؤد، رقم ۸۹۳)

''ابوہریرہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تم نماز میں آؤ، اور ہم سجدے میں ہوں تو سجدہ کرو اور اسے کچھ اہمیت نہ دو۔ البتہ، جس نے پوری رکعت پالی تو اس نے نماز پالی۔''

عن ابى هريرة عن النبى صلى اللّٰه عليه وسلم قال من ادرك من الصلاة ركعة فقد ادرك الصلاة .

(ترمذی، رقم ۵۲۴)

''ابوہریرہ کہتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے پوری رکعت پالی، اس نے نماز پالی۔''

عن سالم ان رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم قال: من ادرك ركعة من صلاة من الصلوات فقد ادركها الا انه يقضى ما فاته۔ (نسائی، رقم ۵۵۸)

''سالم سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے نمازوں میں سے ایک رکعت پالی تو اس نے اس نماز کو پالیا، مگر یہ کہ جتنی نماز کم ہو، اسے پورا کرے۔''

ان روایتوں کی روشنی میں درج ذیل امور واضح ہو رہے ہیں:

۱۔ پوری رکعت پانے ہی سے وہ نماز یا جماعت ملے گی۔ اس لیے جمعہ کی نماز کی اگر پوری رکعت نہ ملے تو ظہر ادا کی جائے گی۔

۲۔ رکوع پانے سے رکعت ملے گی، اگر رکوع کسی نے نہیں پایا صرف سجدہ ہی پایا ہے تو نماز پانے کے معاملے میں اس کی کوئی اہمیت نہیں ہے۔ اس لیے کہ اس کی رکعت پوری نہیں ہوئی۔

۳۔ جتنی نماز پالی وہ تو ٹھیک ہے، مگر جو رہ گئی وہ ادا کرنی پڑے گی۔

---

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

جاوید احمد غامدی

اخلاقیات

(۹)

(گزشتہ سے پیوستہ)

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

انسانی جان کی حرمت

پانچواں حکم یہ ہے کہ کوئی شخص کسی کو قتل نہ کرے۔ مذہب و اخلاق کی رو سے انسانی جان کو جو حرمت ہمیشہ سے حاصل رہی ہے، یہ اسی کا بیان ہے۔ قرآن نے بتایا ہے کہ اس کے بارے میں یہی تاکید اس سے پہلے بنی اسرائیل کو کی گئی تھی اور اللہ تعالیٰ نے یہ بات ان پر لکھ دی تھی کہ ایک انسان کا قتل درحقیقت پوری انسانیت کا قتل ہے۔ تالمود میں یہ فرمان کم و بیش انھی الفاظ میں آج بھی موجود ہے[۵۹]۔ سورۂ مائدہ میں قرآن نے اسی کا حوالہ دیا ہے:

مِنْ اَجْلِ ذٰلِكَ كَتَبْنَا عَلٰى بَنِىْٓ اِسْرَآءِيْلَ اَنَّهٗ مَنْ قَتَلَ نَفْسًا بِغَيْرِ نَفْسٍ، اَوْ فَسَادٍ فِى الْاَرْضِ فَكَاَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِيْعًا، وَمَنْ اَحْيَاهَا فَكَاَنَّمَآ اَحْيَا النَّاسَ جَمِيْعًا. (۵:۳۲)

”اسی سبب سے ہم نے بنی اسرائیل پر لکھ دیا کہ جس نے کسی انسان کو خون کے بدلے یا زمین میں فساد پھیلانے کے سوا کسی اور وجہ سے قتل کیا، اُس نے گویا تمام انسانوں کو قتل کر دیا اور جس نے کسی انسان کو بچایا، اس نے گویا تمام انسانوں کو بچا لیا۔“

اس فرمان سے واضح ہے کہ کسی انسان کی جان دو ہی صورتوں میں لی جا سکتی ہے: ایک یہ کہ وہ کسی کو قتل کر دے،

---

۵۹ تالمود یروشلمی ۴:۷۔

دوسری یہ کہ نظم اجتماعی سے سرکشی کر کے وہ دوسروں کی جان و مال اور آبرو کے درپے ہو جائے۔ زمین میں فساد پھیلانے کی تعبیر یہاں اسی مفہوم کے لیے اختیار کی گئی ہے۔ اس کے سوا ہر قتل ایک ناحق قتل ہے جس کی سزا قرآن کی رو سے ابدی جہنم ہے[۶۰]۔ مسلمانوں میں سے جو لوگ اپنے مسلمان بھائیوں کے خلاف اس جرم کے مرتکب ہوتے ہیں، انھیں قرآن نے اس طرح متنبہ فرمایا ہے:

وَمَنْ يَّقْتُلْ مُؤْمِنًا مُّتَعَمِّدًا، فَجَزَآؤُهٗ جَهَنَّمُ خٰلِدًا فِيْهَا، وَغَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِ، وَلَعَنَهٗ، وَاَعَدَّ لَهٗ عَذَابًا عَظِيْمًا. (النساء ۴: ۹۳)

”اور جو کسی مسلمان کو جان بوجھ کر قتل کرے، اس کی سزا جہنم ہے، وہ اس میں ہمیشہ رہے گا اور اس پر اللہ کا غضب اور اس کی لعنت ہوئی اور اُس کے لیے اس نے بڑا سخت عذاب تیار کر رکھا ہے۔“

اسی طرح یہ بات بھی قرآن نے واضح کر دی ہے کہ اس جرم کے مرتکبین کا معاملہ صرف اللہ تعالیٰ کے ساتھ نہیں ہے، مقتول کے اولیا کے ساتھ بھی ہے اور ان کو اللہ نے پورا اختیار دے دیا ہے، لہٰذا دنیا کی کوئی عدالت ان کی مرضی کے بغیر قاتل کو کوئی رعایت نہیں دے سکتی۔ اس کی ذمہ داری ہے کہ وہ اگر قصاص پر اصرار کریں تو ان کی مدد کرے اور جو کچھ وہ چاہیں، اسے پوری قوت کے ساتھ اور ٹھیک ٹھیک نافذ کر دے۔

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

تاہم اس کے یہ معنی نہیں ہیں کہ مقتول کے اولیا اپنی اس حیثیت میں حدود سے تجاوز کریں اور مثال کے طور پر جوش انتقام میں قاتل کے علاوہ دوسروں کو بھی قتل کرنے کی کوشش کریں یا اپنی شرافت و نجابت اور برتری کے زعم میں اپنے غلام کے بدلے میں آزاد اور عورت کے بدلے میں مرد کے قتل کا مطالبہ کریں یا مجرم کو عذاب دے دے کر ماریں یا مار دینے کے بعد اس کی لاش پر غصہ نکالیں یا قتل کے ایسے طریقے اختیار کریں جن سے اللہ تعالیٰ نے منع فرمایا ہے۔ 'فلا یسرف فی القتل' کے الفاظ یہاں اسی تنبیہ کے لیے آئے ہیں۔

اس سے یہ بات نکلتی ہے کہ قیامت میں یہی اختیار مقتول کو بھی حاصل ہو گا اور اس کی مرضی کے بغیر قاتل کو وہاں بھی کوئی رعایت نہ مل سکے گی۔

یتیم کے مال میں خیانت

چھٹا حکم یہ ہے کہ یتیم کے مال میں کوئی ناجائز تصرف نہ کیا جائے۔ اس حکم کے الفاظ وہی ہیں جو اوپر زنا سے

---

[۶۰] الفرقان ۲۵: ۶۸-۶۹۔

روکنے کے لیے آئے ہیں۔ یعنی یتیم کی بہبود اور بہتری کے ارادے کے سوا اس کے مال کے قریب بھی نہ جاؤ۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ یتیم کے مال میں صرف وہی تصرف جائز ہے جو اس کی حفاظت اور نشوونما کی غرض سے کیا جائے اور اسی وقت تک کیا جائے، جب تک یتیم سن رشد کو پہنچ کر اپنے مال کی ذمہ داری خود سنبھالنے کے قابل نہیں ہو جاتا۔ سورۂ نساء میں اللہ تعالیٰ نے اس کے لیے چند متعین ہدایات دی ہیں، لیکن ان کا تعلق چونکہ شریعت کے مباحث سے ہے، اس لیے انھیں ہم اسی کتاب میں آگے ''قانون معاشرت'' کے زیرعنوان بیان کریں گے۔ یہاں اتنی بات، البتہ واضح رہے کہ آیۂ زیربحث میں جس چیز سے روکا گیا ہے، وہ قرآن کی رو سے ایک نہایت سنگین جرم ہے، اسے کوئی معمولی بات نہیں سمجھنا چاہیے۔ چنانچہ فرمایا ہے:

اِنَّ الَّذِيْنَ يَاْكُلُوْنَ اَمْوَالَ الْيَتٰمٰى ظُلْمًا، اِنَّمَا يَاْكُلُوْنَ فِيْ بُطُوْنِهِمْ نَارًا، وَسَيَصْلَوْنَ سَعِيْرًا. (النساء۴:۱۰)	''اس میں شبہ نہیں کہ جو لوگ یتیموں کا مال ناحق کھاتے ہیں، وہ اپنے پیٹ میں آگ بھرتے ہیں اور عنقریب وہ دوزخ کی بھڑکتی آگ میں پڑیں گے۔''

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

عہد کی پابندی

ساتواں حکم یہ ہے کہ جو عہد بھی کیا جائے، اسے ہر حال میں پورا کیا جائے۔ فرمایا ہے کہ اس کے بارے میں پوچھا جائے گا۔ سورۂ بقرہ میں یہی بات نہایت اہتمام واختصاص اور تاکید وتنبیہ کے اسلوب میں اس طرح بیان ہوئی ہے: 'والموفون بعهدهم اذا عاهدوا'[۶۱] (اور جب عہد کر بیٹھیں تو اس کو پورا کرنے والے ہوں)۔ اس عہد میں، ظاہر ہے کہ ہر قسم کے عہد شامل ہیں۔ استاذ امام لکھتے ہیں:

''... ایفائے عہد کے اندر تمام چھوٹے بڑے حقوق وفرائض آجاتے ہیں خواہ وہ خلق سے متعلق ہوں یا خالق سے، خواہ وہ کسی تحریری معاہدہ سے وجود میں آتے ہوں یا کسی نسبت، تعلق، رشتہ داری اور قرابت سے، خواہ ان کا اظہار و اعلان ہوتا ہو یا وہ ہر اچھی سوسائٹی میں بغیر کہے ہوئے سمجھے اور مانے جاتے ہوں۔ اللہ اور رسول، ماں اور باپ، بیوی اور بچے، خویش و اقارب، کنبہ اور خاندان، پڑوسی اور اہل محلّہ، استاد اور شاگرد، نوکر اور آقا، ملک اور قوم، ہر ایک کے ساتھ ہم کسی نہ کسی ظاہری یا مخفی معاہدے کے تحت بندھے ہوئے ہیں، اور یہ بر وتقویٰ کا ایک لازمی تقاضا ہے کہ ان تمام معاہدوں کے حقوق ادا کرنے والے بنیں۔ گویا ایفائے عہد کی اصل روح ایفائے حقوق ہے اور ایفائے حقوق انسان کے تمام چھوٹے بڑے فرائض کو محیط ہے۔'' (تدبر قرآن ۱/۴۲۹)

۶۱۔ ۲:۱۷۷۔

قرآن کے بعض دوسرے مقامات پر بھی یہ حکم اسی تاکید کے ساتھ آیا ہے۔[62] جہاد و قتال کے موقع پر بھی جو سب سے اہم ہدایت قرآن میں بیان ہوئی ہے، وہ یہی عہد کی پابندی ہے۔ سورۂ توبہ منکرین حق پر عذاب کی سورہ ہے اور اس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے ساتھیوں کو مشرکین عرب کے ساتھ تمام معاہدات ختم کر کے آخری اقدام کا حکم دیا گیا ہے، لیکن اتنی بات اس میں بھی واضح کر دی گئی ہے کہ کوئی معاہدہ اگر وقت کی قید کے ساتھ کیا گیا ہے تو اس کی مدت لازماً پوری کی جائے گی۔[63] اسی طرح انفال میں صاف بتا دیا گیا ہے کہ کوئی معاہد قوم اگر مسلمانوں پر ظلم بھی کر رہی ہو تو معاہدے کی خلاف ورزی کر کے ان کی مدد نہیں کی جا سکتی۔ ارشاد فرمایا ہے:

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَلَمْ يُهَاجِرُوْا، مَا لَكُمْ مِّنْ وَّلَايَتِهِمْ مِّنْ شَيْءٍ حَتّٰى يُهَاجِرُوْا، وَاِنِ اسْتَنْصَرُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ، فَعَلَيْكُمُ النَّصْرُ اِلَّا عَلٰى قَوْمٍ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ مِّيْثَاقٌ، وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ. (۸:۷۲)

”رہے وہ لوگ جو ایمان لے آئے ہیں، مگر انھوں نے ہجرت نہیں کی تو اُن سے تمھارا کوئی رشتۂ ولایت نہیں ہے، جب تک وہ ہجرت کر کے نہ آ جائیں۔ اور اگر وہ دین کے معاملے میں تم سے مدد چاہیں تو اُن کی مدد کرنا تم پر لازم ہے، لیکن کسی ایسی قوم کے خلاف نہیں، جس کے ساتھ تمھارا معاہدہ ہو۔ اور (حقیقت یہ ہے کہ) جو کچھ تم کرتے ہو، اللہ اُسے دیکھ رہا ہے۔“

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

ناپ تول میں دیانت

آٹھواں حکم یہ ہے کہ ناپ تول میں کمی بیشی نہ کی جائے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ زمین و آسمان کو اس نے ایک میزان پر قائم فرمایا ہے، لہٰذا یہ ضروری ہے کہ انسان بھی اپنے دائرۂ اختیار میں انصاف پر قائم رہے اور ہمیشہ صحیح پیمانے سے ناپے اور ٹھیک ترازو سے تولے۔ سورۂ رحمٰن میں ہے:

وَالسَّمَآءَ رَفَعَهَا وَوَضَعَ الْمِيْزَانَ اَلَّا تَطْغَوْا فِي الْمِيْزَانِ، وَاَقِيْمُوا الْوَزْنَ بِالْقِسْطِ وَلَا تُخْسِرُوا الْمِيْزَانَ. (۵۵:۷-۹)

”اور اُس نے آسمان کو اونچا کیا اور اس میں میزان قائم کی کہ تم بھی (اپنے دائرۂ اختیار میں اسی طرح) میزان میں خلل نہ ڈالو، اور انصاف کے ساتھ سیدھی تول تولو اور وزن میں کمی نہ کرو۔“

---

۶۲ المعارج ۷۰: ۳۲۔ المومنون ۲۳: ۸۔

۶۳ ۹: ۴۔

اس سے معلوم ہوا کہ یہ ایک عظیم حکم ہے اور اپنی حقیقت کے اعتبار سے اسی میزان انصاف کی فرع ہے جس پر یہ دنیا قائم ہے۔ چنانچہ اس سے انحراف اگر کوئی شخص کرتا ہے تو اس کے معنی یہ ہیں کہ عدل وقسط کے تصور میں اختلال واقع ہو چکا اور خدا کے قائم بالقسط ہونے کا عقیدہ باقی نہیں رہا۔ اس کے بعد، ظاہر ہے کہ معیشت اور معاشرت کا پورا نظام درہم برہم ہو جاتا ہے اور تمدن کی کوئی اینٹ بھی اپنی جگہ پر قائم نہیں رہتی۔ سیدنا شعیب کی قوم اسی بیماری میں مبتلا تھی۔ ان کی نصیحت قرآن میں ایک سے زیادہ مقامات پر نقل ہوئی ہے۔ سورۂ شعراء میں فرمایا ہے:

اَوْفُوا الْكَيْلَ، وَلَا تَكُوْنُوْا مِنَ الْمُخْسِرِيْنَ، وَزِنُوْا بِالْقِسْطَاسِ الْمُسْتَقِيْمِ، وَلَاتَبْخَسُوا النَّاسَ اَشْيَآءَ هُمْ، وَلَا تَعْثَوْا فِي الْاَرْضِ مُفْسِدِيْنَ.

”تم پورا ناپو اور کسی کو گھاٹا نہ دو، اور صحیح ترازو سے تولو اور لوگوں کی چیزوں میں کمی نہ کرو، اور زمین میں فساد نہ پھیلاتے پھرو۔“

(۲۶: ۱۸۱۔۱۸۴)

اشیا میں ملاوٹ کا معاملہ بھی یہی ہے۔ اگر کوئی شخص دودھ میں پانی، شکر میں ریت اور گندم میں جو ملا کر بیچتا ہے تو اسی جرم کا ارتکاب کرتا ہے، اس لیے کہ پورا تول کر بھی وہ خریدار کو اس کی خریدی ہوئی چیز پوری نہیں دیتا۔ یہ درحقیقت دوسرے کے حق پر ہاتھ ڈالنا ہے جس کا نتیجہ دنیا اور آخرت، دونوں میں یقیناً برا ہو گا۔ چنانچہ فرمایا ہے کہ پیمانے سے دو تو پورا بھر کر دو اور تولو تو ٹھیک ترازو سے تولو، اس لیے کہ یہی بہتر ہے اور انجام کے لحاظ سے بھی یہی اچھا ہے۔

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

اوہام کی پیروی

نواں حکم یہ ہے کہ جس چیز کا علم نہ ہو، کوئی شخص اس کے پیچھے نہ لگے۔ قرآن نے متنبہ فرمایا ہے کہ اسے کوئی معمولی بات نہیں سمجھنا چاہیے، اس لیے کہ انسان کی سماعت و بصارت اور دل و دماغ، ہر چیز کو ایک دن خدا کے حضور میں جواب دہ ہونا ہے۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ کسی مسلمان کے لیے یہ بات جائز نہیں ہے کہ بدگمانی کرے یا کسی پر الزام لگائے یا تحقیق کے بغیر کسی کے خلاف کوئی قدم اٹھائے یا محض شبہات پر افواہیں اڑائے یا اپنے پروردگار کی ذات و صفات اور احکام و ہدایات کے بارے میں ظنون و اوہام اور لاطائل قیاسات پر مبنی کوئی نقطۂ نظر اختیار کرے۔ سورۂ حجرات میں ان میں سے بعض چیزیں اسی صراحت کے ساتھ بیان ہوئی ہیں۔ ارشاد فرمایا ہے:

يَـاَ يُّهَـا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡٓا، اِنۡ جَآءَ كُمۡ فَاسِقٌۢ بِـنَبَـاٍ فَتَبَيَّـنُـوۡٓا اَنۡ تُـصِيۡبُوۡا قَوۡمًا بِجَهَالَةٍ، فَتُصۡبِحُوۡا عَلٰى مَا فَعَلۡتُمۡ نٰدِمِيۡنَ. (۶:۴۹)

''ایمان والو، اگر کوئی فاسق تمھارے پاس کوئی اہم خبر لے کر آئے تو اس کی تحقیق کر لیا کرو، ایسا نہ ہو کہ تم کسی قوم پر نادانی سے جا پڑو اور پھر اپنے کیے پر پچھتانا پڑے۔''

يَـاَ يُّهَـا الَّـذِيۡنَ اٰمَنُوا، اجۡتَنِبُوۡا كَثِيۡرًا مِّنَ الـظَّـنِّ، اِنَّ بَـعۡـضَ الـظَّـنِّ اِثۡـمٌ، وَّلَا تَجَسَّسُوۡا. (۱۲:۴۹)

''ایمان والو، بہت زیادہ گمان کرنے سے پرہیز کرو، اس لیے کہ بعض گمان صریح گناہ ہوتے ہیں اور کسی کی ٹوہ میں نہ رہو۔''

ان آیتوں میں پہلی بات یہ فرمائی ہے کہ اگر کوئی فاسق کسی اہم بات کی اطلاع دے تو نفس واقعہ کی تحقیق کیے بغیر کوئی اقدام نہ کیا جائے۔ مبادا کہ جوش و جذبہ سے مغلوب ہو کر کوئی قدم اٹھا لیا جائے اور بعد میں اس پر پچھتانا پڑے۔

اس سے یہ بات نکلتی ہے کہ اطلاع دینے والا اگر کوئی مجہول شخص ہے جس کا نہ فسق معلوم ہے اور نہ ثقاہت تو اس کی تحقیق بھی لازماً ہونی چاہیے۔ ہمارے محدثین نے اسی اصول پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے علم و عمل کی روایت کرنے والوں کے حالات کی تحقیق کی ہے اور اگر کسی راوی کی تحقیق میں ان کو کامیابی نہیں ہوئی تو اسے مجہول قرار دے کر اس کی روایت کو انھوں نے رد کر دیا ہے۔

دوسری بات یہ فرمائی ہے کہ زیادہ گمان نہ کیے جائیں، اس لیے کہ بعض گمان صریح گناہ ہوتے ہیں۔ استاذ امام امین احسن اصلاحی نے اس کی وضاحت میں لکھا ہے:

''... انسان کو جن سے زندگی میں واسطہ پڑتا ہے، ان کی بابت کوئی اچھا یا برا گمان دل میں پیدا ہونا ایک امر فطری ہے۔ یہی گمان آدمی کو آدمی سے جوڑتا یا توڑتا ہے۔ اس پہلو سے معاشرے میں یہ وصل و فصل کی بنیاد ہے۔ اس کی اس اہمیت کا تقاضا ہے کہ آدمی اس کے ردو قبول کے معاملے میں بھی بے پروا و سہل انگار نہ ہو، بلکہ نہایت ہوشیار اور بیدار مغز رہے۔ اہل ایمان کو اسلام نے اس باب میں یہ رہنمائی دی ہے کہ ایک مسلمان دوسرے مسلمان کے بارے میں ہمیشہ نیک گمان رکھے، الا آں کہ یہ ثابت ہو جائے کہ وہ اس نیک گمان کا سزاوار نہیں ہے۔ یہ نیک گمانی اس ایمانی اخوت کا لازمی تقاضا ہے جس پر اسلام نے معاشرے کی بنیاد رکھی ہے اور جس کی وضاحت اوپر ہو چکی ہے۔ اگر کوئی شخص اس کے برعکس یہ اصول ٹھیرا لے کہ جو رطب و یابس گمان اس کے دل میں پیدا ہوتے جائیں، ان سب کو سینت کے رکھتا جائے تو گمانوں کے ایسے شوقین کی مثال اس شکاری کی ہے جو مچھلیاں پکڑنے کے شوق

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

میں ایسا اندھا ہو جائے کہ مچھلیاں پکڑتے پکڑتے سانپ بھی پکڑ لے۔ ظاہر ہے کہ مچھلیوں کے شوق میں جو شخص ایسا اندھا بن جائے گا، اندیشہ ہے کہ اسی شوق میں کسی دن وہ اپنی زندگی ہی گنوا بیٹھے گا۔ قرآن نے یہاں اسی خطرے سے مسلمانوں کو روکا ہے کہ گمانوں کے زیادہ درپے نہ ہو، کیونکہ بعض گمان صریح گناہ ہوتے ہیں جو انسان کو ہلاکت میں ڈال دیتے ہیں۔ اس سے یہ تعلیم نکلی کہ ایک مومن کو بدگمانیوں کا مریض نہیں بننا چاہیے، بلکہ اپنے دوسرے بھائیوں سے حسن ظن رکھنا چاہیے۔ اگر کسی سے کوئی ایسی بات صادر ہو جو بدگمانی پیدا کرنے والی ہو تو حتی الامکان اس کی اچھی توجیہ کرے، اگر کوئی اچھی توجیہ نکل سکتی ہو۔ اس کے برے پہلو کو اسی شکل میں اختیار کرنا جائز ہے جب اس کی کوئی اچھی توجیہ نہ نکل سکے۔ اگر بدگمانی کے سزاوار سے آدمی کو خوش گمانی ہو تو یہ اس بات کے مقابل میں اہون ہے کہ وہ کسی خوش گمانی کے حق دار سے بدگمانی رکھے۔'' (تدبر قرآن ۷/۵۰۹)

تیسری بات یہ فرمائی ہے کہ لوگ ایک دوسرے کی ٹوہ میں نہ رہیں۔ استاذ امام لکھتے ہیں:

''...یہاں ممانعت اس ٹوہ میں لگنے کی ہے جو برے مقصد سے ہو۔ یعنی تلاش اس بات کی ہو کہ دوسرے کی پرائیویٹ زندگی سے متعلق کوئی بات ہاتھ آئے جس سے اس کی خامیوں سے آگاہی اور اس کے اندرون خانہ کے اسرار تک رسائی ہو۔ یہ چیز کبھی تو حسد کے جذبہ سے پیدا ہوتی ہے کہ حریف کی زندگی کا کوئی ایسا پہلو سامنے آئے جس سے کلیجہ ٹھنڈا ہو۔ کبھی بغض و عناد کی شدت اس کا باعث ہوتی ہے کہ کوئی ایسی بات ہاتھ لگے جس کی عندالضرورت تشہیر کر کے مخالف کو رسوا کیا جا سکے۔ اس زمانے میں اس نے ایک پیشہ کی شکل بھی اختیار کر لی ہے جس کو جدید اخبار نویسی نے بہت ترقی دی ہے۔ بعض اخبار نویس رات دن کسی نہ کسی اسکینڈل کی تلاش میں گھومتے رہتے ہیں اور ان میں سب سے زیادہ شاطر وہ اخبار نویس سمجھا جاتا ہے جو کسی نمایاں شخصیت کی پرائیویٹ زندگی سے متعلق کوئی ایسا اسکینڈل تلاش کرنے میں کامیاب ہو جائے جس سے اس کا اخبار یا رسالہ ہاتھوں ہاتھ بکے۔ اس طرح کا تجسس، ظاہر ہے کہ اس اخوت اور باہمی ہمدردی کے بالکل منافی ہے جو اسلامی معاشرہ کی اساس ہے، اس وجہ سے اہل ایمان کو اس سے روکا گیا ہے۔ رہا وہ تجسس جو ایک مسلمان اپنے دوسرے مسلمان بھائی کے حالات کا اس مقصد سے کرتا ہے کہ اس کی مشکلات و ضروریات میں اس کا ہاتھ بٹا سکے یا ایک اسلامی حکومت اس غرض سے کرتی ہے کہ رعایا کے حالات سے پوری طرح باخبر رہے تو یہ تجسس نہ یہاں زیر بحث ہے اور نہ یہ ممنوع ہے، بلکہ ہر شریف پڑوسی کے لیے یہ نہایت نیکی کا کام ہے کہ وہ اپنے پڑوسیوں کے حالات و مسائل سے آگاہ رہے تاکہ ان کی مشکلات میں ان کی مدد کر سکے اور حکومت کے لیے تو یہ صرف نیکی ہی نہیں، بلکہ اس کا فریضہ ہے کہ وہ رعایا کے اچھے اور برے، دونوں طرح کے حالات سے پوری طرح باخبر رہنے کا اہتمام رکھے تاکہ اپنی ذمہ داریوں سے صحیح طور پر عہدہ برآ ہو سکے۔'' (تدبر قرآن ۷/۵۱۰)

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

دسواں حکم یہ ہے کہ خدا کی زمین پر کوئی شخص اکڑ کر نہ چلے، اس لیے کہ یہ مغروروں اور متکبروں کی چال ہے۔ چنانچہ فرمایا ہے کہ تم کتنا ہی زمین پر پاؤں مارتے ہوئے چلو، لیکن اس کو پھاڑ نہیں سکتے اور کتنا ہی اترا کر اور سر اٹھا کر چلو، لیکن پہاڑوں کی بلندی کو نہیں پہنچ سکتے۔ استاذ امام لکھتے ہیں:

’’... مطلب یہ کہ جس خدا کی قدرت کی یہ شانیں دیکھتے ہو کہ اس نے تمھارے پاؤں کے نیچے یہ طویل و عریض زمین بچھا دی جس کے اوپر تمھاری حیثیت ایک بھنگے اور چیونٹی کی بھی نہیں اور جس نے یہ فلک بوس پہاڑ تمھارے آگے کھڑے کر دیے جن کے سامنے تم ایک گلہری کی بھی حیثیت نہیں رکھتے، اس کی زمین پر اکڑنے اور اترانے کے کیا معنی؟ اپنی حیثیت پہچانو اور خدا کی عظمت اور اس کے جلال کے آگے ہمیشہ سرفگندہ رہو۔‘‘

(تدبر قرآن ۴/۵۰۲)

اس طرح کی چال، ظاہر ہے کہ آدمی کے باطن کی ترجمان ہوتی ہے۔ دولت، اقتدار، حسن، علم، طاقت اور ایسی ہی دوسری جتنی چیزیں آدمی کے اندر غرور پیدا کرتی ہیں، ان میں سے ہر ایک کا گھمنڈ اس کی چال کے ایک مخصوص ٹائپ میں نمایاں ہوتا اور اس بات پر دلیل بن جاتا ہے کہ اس کا دل بندگی کے شعور سے خالی ہے اور اس میں خدا کی عظمت کا کوئی تصور نہیں ہے۔ جس دل میں بندگی کا شعور اور خدا کی عظمت کا تصور ہو، وہ انھی لوگوں کے سینے میں دھڑکتا ہے جن پر تواضع اور فروتنی کی حالت طاری رہتی ہے۔ وہ اکڑنے اور اترانے کے بجائے سر جھکا کر چلتے ہیں۔ لہٰذا یہ ایک بدترین خصلت ہے اور اس کی سزا بھی نہایت سخت ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جس شخص کے دل میں رائی کے ایک دانے کے برابر بھی غرور ہو، وہ جنت میں داخل نہیں ہو سکتا۔[۶۴] نیز فرمایا ہے کہ عزت پروردگار کی ازار اور بزرگی اس کی ردا ہے۔ جو ان میں اس کا مقابلہ کرے گا، اسے عذاب دیا جائے گا۔[۶۵]

یہاں یہ بات بھی واضح رہے کہ انسان کا یہ غرور و تکبر صرف اس کی چال میں ظاہر نہیں ہوتا، اس کی گفتگو، وضع قطع، لباس اور نشست و برخاست، ہر چیز میں نمایاں ہوتا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہوا ہے:

وَلَا تُصَعِّرْ خَدَّكَ لِلنَّاسِ، وَلَا تَمْشِ فِي الْاَرْضِ مَرَحًا، اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ كُلَّ

’’اور لوگوں سے بے رخی اختیار نہ کرو اور زمین میں اکڑ کر نہ چلو، اس لیے کہ اللہ کسی اکڑنے والے اور فخر

---

۶۴ ابوداؤد، رقم ۴۰۹۱۔

۶۵ مسلم، رقم ۲۶۲۰۔

مُـخْتَـالٍ فَخُورٍ . وَاقْصِـدْ فِيْ مَشْيِكَ، وَاغْـضُـضْ مِـنْ صَوْتِكَ، اِنَّ اَنْـكَـرَ الْاَصْوَاتِ لَصَوْتُ الْحَمِيْرِ.

جتانے والے کو پسند نہیں کرتا، اور اپنی چال میں میانہ روی اختیار کرو اور اپنی آواز کو پست رکھو۔ بے شک، سب سے بری آواز گدھے کی آواز ہے۔''

(لقمان ۳۱: ۱۸۔۱۹)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی بنا پر ایسی تمام چیزوں کے استعمال سے منع کیا ہے جن سے امارت کی نمایش ہوتی ہو یا وہ بڑائی مارنے، شیخی بگھارنے، دون کی لینے، دوسروں پر رعب جمانے یا اوباشوں کے طریقے پر دھونس دینے والوں کی وضع سے تعلق رکھتی ہوں۔ ریشم پہننے، قیمتی کھالوں کے غلاف بنانے اور سونے چاندی کے برتنوں میں کھانے پینے سے آپ نے اسی لیے روکا ہے[۶۶]۔ یہاں تک کہ چھوٹی ڈاڑھی اور بڑی بڑی مونچھیں رکھنے والوں کو بھی یہ متکبرانہ وضع ترک کر دینے کی نصیحت کی اور فرمایا ہے کہ وہ اپنا یہ شوق ڈاڑھی بڑھا کر پورا کر لیں، لیکن مونچھیں ہر حال میں چھوٹی رکھیں[۶۷]۔ آپ کا ارشاد ہے: جس نے اپنی بڑائی ظاہر کرنے کے لیے کوئی لباس پہنا، اللہ اسے قیامت میں ذلت کا لباس پہنائے گا، پھر اس میں آگ بھڑکا دی جائے گی[۶۸]۔ اسی طرح فرمایا ہے: اللہ قیامت کے دن اس شخص کو دیکھنا بھی پسند نہیں کرے گا جو غرور سے اپنا تہ بند گھسیٹتے ہوئے چلتا ہو[۶۹]۔

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

پھر یہی نہیں، انسان کی یہ نفسی کیفیت بعض بڑے بڑے گناہوں کا باعث بھی بنتی ہے۔ چنانچہ یہ حقیقت ہے کہ حق کو حق سمجھتے ہوئے اس کی تکذیب کر دینے، رنگ و نسل اور حسب و نسب کے اعتبار سے اپنے آپ کو برتر سمجھنے، دوسروں کو حقیر سمجھ کر ان کا مذاق اڑانے، ان پر طعن کرنے، برے القاب دینے اور پیٹھ پیچھے ان کے عیب اچھالنے جیسے گناہوں کا محرک انسان کا یہی پندار نفس اور غرور و تکبر ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان سب چیزوں سے بھی نہایت سختی کے ساتھ روکا ہے۔

حق سے اعراض اور اس کے مقابلے میں استکبار کا رویہ اختیار کرنے والوں کو متنبہ فرمایا ہے کہ اپنے اس جرم کو

۶۶؎ بخاری، رقم ۵۴۹۴، ۵۴۹۹، ۵۵۰۰۔ مسلم، رقم ۲۰۶۵، ۲۰۶۶، ۲۰۶۷۔

۶۷؎ بخاری، رقم ۵۵۵۳۔ مسلم، رقم ۲۵۹۔ اس نصیحت کا صحیح مفہوم یہی تھا، مگر لوگوں نے اسے ڈاڑھی بڑھانے کا حکم سمجھا اور اس طرح ایک ایسی چیز دین میں داخل کر دی جو اس سے کسی طرح متعلق نہیں ہو سکتی۔

۶۸؎ ابوداؤد، رقم ۴۰۲۹۔

۶۹؎ بخاری، رقم ۵۴۵۱۔ مسلم، رقم ۲۰۸۵۔

معمولی نہ سمجھیں۔ان کی سزا یہ ہے کہ خدا کی جنت کے دروازے ان کے لیے بند ہیں۔اوپر اور نیچے سے جہنم ہی ان کا اوڑھنا بچھونا ہوگی اور وہ ہمیشہ اسی میں رہیں گے:

اِنَّ الَّذِيۡنَ كَذَّبُوۡا بِاٰيٰتِنَا، وَاسۡتَكۡبَرُوۡا عَنۡهَا، لَا تُفَتَّحُ لَهُمۡ اَبۡوَابُ السَّمَآءِ ، وَلَا يَدۡخُلُوۡنَ الۡجَنَّةَ حَتّٰى يَلِجَ الۡجَمَلُ فِىۡ سَمِّ الۡخِيَاطِ، وَكَذٰلِكَ نَجۡزِى الۡمُجۡرِمِيۡنَ . لَهُمۡ مِّنۡ جَهَنَّمَ مِهَادٌ، وَمِنۡ فَوۡقِهِمۡ غَوَاشٍ، وَكَذٰلِكَ نَجۡزِى الظّٰلِمِيۡنَ. (الاعراف ۷: ۴۰۔۴۱)

’’یہ حقیقت ہے کہ جن لوگوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا ہے اور ان سے متکبرانہ منہ موڑ لیا ہے، ان کے لیے آسمان کے دروازے نہیں کھولے جائیں گے اور نہ وہ جنت میں داخل ہو سکیں گے۔ ہاں، اس صورت میں کہ اونٹ سوئی کے ناکے میں سما جائے۔ (یہ اُن کی سزا ہے) اور ہم مجرموں کو ایسی ہی سزا دیتے ہیں۔ اُن کے لیے دوزخ ہی کا بچھونا اور اُسی کا اوڑھنا ہوگا، اور ہم ظالموں کو اسی طرح سزا دیتے ہیں۔‘‘

اپنے حسب ونسب پر فخر کرنے والوں کو توجہ دلائی ہے کہ تمام انسان آدم وحوا کی اولاد ہیں۔کسی گورے کو کالے پر اور کسی کالے کو گورے پر، کسی عربی کو عجمی پر اور کسی عجمی کو عربی پر کوئی فضیلت نہیں ہے۔اللہ تعالیٰ کے نزدیک عزوشرف کی بنیاد کسی شخص کے خاندان اور قبیلہ یا رنگ ونسل پر نہیں، بلکہ تقویٰ پر ہے۔اس کے ہاں وہی عزت پائے گا جو سب سے بڑھ کر اس سے ڈرنے والا اور اس کے حدود کی پابندی کرنے والا ہے، اگرچہ کتنے ہی حقیر اور گم نام خاندان سے اٹھا ہو۔اور جو سرکشی اور استکبار اختیار کرے گا، وہ لازماً ذلت سے دوچار ہوگا، اگرچہ کتنا ہی بڑا قریشی اور ہاشمی ہو۔ خاندانوں کی یہ تقسیم محض تعارف اور پہچان کے لیے ہے۔اللہ تعالیٰ نے جس طرح لوگوں کے چہرے مہرے، رنگ اور قد وقامت میں فرق رکھا ہے تاکہ وہ ایک دوسرے کو پہچان سکیں، اسی طرح خاندانوں کی تقسیم بھی اسی مقصد سے کی ہے۔اس سے زیادہ ان کی کوئی اہمیت نہیں ہے:

يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ، اِنَّا خَلَقۡنٰكُمۡ مِّنۡ ذَكَرٍ وَّاُنۡثٰى، وَجَعَلۡنٰكُمۡ شُعُوۡبًا وَّقَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوۡا، اِنَّ اَكۡرَمَكُمۡ عِنۡدَ اللّٰهِ اَتۡقٰكُمۡ، اِنَّ اللّٰهَ عَلِيۡمٌ خَبِيۡرٌ. (الحجرات ۴۹: ۱۳)

’’لوگو، ہم نے تمھیں ایک مرد وعورت سے پیدا کیا ہے اور پھر قبیلوں اور برادریوں میں تقسیم کیا ہے تاکہ تم ایک دوسرے کو پہچانو۔ اللہ کے نزدیک تم میں سب سے عزت والا وہ ہے جو تم میں سب سے زیادہ پرہیزگار ہے۔ بے شک، اللہ علیم وخبیر ہے۔‘‘

دوسروں کا مذاق اڑانے والوں کو تلقین کی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک کسی کے شریف یا رذیل ہونے کا انحصار اس

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

کے ایمان و عمل پر ہے اور اس کا صحیح وزن اللہ تعالیٰ کی میزان عدل ہی بتائے گی۔ نہیں کہا جا سکتا کہ جو لوگ اپنے آپ کو بڑی چیز سمجھ رہے ہیں، وہ قیامت کے دن ذلت کے کس مقام پر ہوں گے اور جنھیں یہاں ذلیل سمجھا جاتا ہے، وہ خدا کی بادشاہی میں کس اونچے درجے پر فائز ہوں گے۔ اس لیے ہر مسلمان کو متنبہ رہنا چاہیے کہ ایمان کی نعمت سے بہرہ یاب ہونے کے بعد وہ اپنے مسلمان بھائیوں کے ساتھ 'انما المومنون اخوة'[7] کے رشتے میں بندھا ہوا ہے۔ اس کے لیے کسی طرح زیبا نہیں ہے کہ ان کو حقیر خیال کر کے ان کا مذاق اڑائے اور طنز و تعریض کا ہدف بنائے:

يَآ اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا، لَا يَسْخَرْ قَوْمٌ مِّنْ قَوْمٍ، عَسٰٓى اَنْ يَّكُوْنُوْا خَيْرًا مِّنْهُمْ، وَلَا نِسَآءٌ مِّنْ نِّسَآءٍ، عَسٰٓى اَنْ يَّكُنَّ خَيْرًا مِّنْهُنَّ. (الحجرات ۴۹:۱۱)

''ایمان والو، نہ مرد دوسرے مردوں کا مذاق اڑائیں، ہو سکتا ہے کہ وہ ان سے بہتر ٹھیریں اور نہ عورتیں دوسری عورتوں کا مذاق اڑائیں، ہو سکتا ہے کہ وہ ان سے بہتر ٹھیریں۔''

اپنے بھائیوں کو طعن و تشنیع کا نشانہ بنانے والوں کو تنبیہ فرمائی ہے کہ اس سے اجتناب کرو۔ سورۂ حجرات میں اس کے لیے 'لا تلمزوا انفسکم' کی تعبیر اختیار کی گئی ہے جس سے یہ بات نکلتی ہے کہ جو مسلمان کسی دوسرے مسلمان پر طعن کرتا ہے، وہ گویا اپنے ہی اوپر طعن کرتا ہے۔ پھر 'لمز' کا لفظ استعمال کیا ہے جس میں بعض دوسرے مفاہیم، مثلاً عیب چینی کرنا، پھبتیاں کسنا، چوٹیں کرنا، الزام دھرنا اور کھلم کھلا یا اشارے کنایے سے کسی کو اعتراضات کا ہدف بنانا بھی شامل ہیں۔ ان سب چیزوں میں، ظاہر ہے کہ اپنی بڑائی اور دوسرے کی تحقیر و تذلیل ہی کے جذبات کارفرما ہوتے ہیں۔ اسی نوعیت کا ایک جرم ایک دوسرے پر برے القاب چسپاں کرنا ہے۔ دور جاہلیت کے عربوں میں یہ ذوق بہت تھا اور وہ اسے کمال فن سمجھتے تھے۔ قبیلہ کا سب سے بڑا شاعر اور خطیب وہی مانا جاتا تھا جو دوسروں کے مقابل میں اپنے قبیلہ کے مفاخر بیان کرنے اور حریفوں کی ہجو و تحقیر میں یکتا ہو۔ چنانچہ اس سے بھی منع کیا اور فرمایا ہے کہ یہ تمسخر، طعن و تشنیع اور تنابز بالالقاب سراسر فسق ہیں اور ایمان کے بعد تو فسق کا نام بھی برا ہے۔ لہٰذا کسی مسلمان کے لیے جائز نہیں ہے کہ وہ ان میں سے کسی چیز کا ارتکاب کرے:

وَلَا تَلْمِزُوْٓا اَنْفُسَكُمْ، وَلَا تَنَابَزُوْا بِالْاَلْقَابِ، بِئْسَ الِاسْمُ الْفُسُوْقُ بَعْدَ الْاِيْمَانِ، وَمَنْ لَّمْ يَتُبْ، فَاُولٰٓئِكَ هُمُ

''اور نہ اپنوں پر طعن کرو، نہ ایک دوسرے پر برے القاب چسپاں کرو۔ ایمان کے بعد فسق کا تو نام بھی برا ہے۔ (اِس سے توبہ کرو) اور (یاد رکھو کہ) جو اس سے

---

[7] الحجرات ۴۹:۱۰۔

الظّٰلِمُوْنَ. (الحجرات ۴۹:۱۱) توبہ نہ کریں گے، وہی ظالم ہیں۔''

غیبت کرنے والوں کو فہمایش کی ہے کہ یہ انتہائی گھناؤنا فعل ہے۔ اس کی مثال بالکل ایسی ہے کہ کوئی شخص اپنے مرے ہوئے بھائی کا گوشت کھائے۔ مردے کا گوشت کھانا بجائے خود قابل نفرت ہے۔ پھر وہ گوشت بھی اپنے بھائی کا ہو تو اسے کوئی شخص کس طرح کھانا پسند کر سکتا ہے؟ اس میں اگر غور کیجیے تو اپنی مدافعت سے اس کی بے بسی کی تصویر بھی نمایاں ہے۔ قرآن نے اس تشبیہ کو پیش کر کے پوچھا ہے کہ تم جب اس کو گوارا کرنے کے لیے تیار نہیں ہو تو اسی طرح کی ایک نہایت مکروہ اور قابل نفرت چیز، غیبت کو کس طرح گوارا کرتے ہو؟

یہ غیبت کیا ہے؟ استاذ امام لکھتے ہیں:

''... غیبت کے معنی کسی کی اس کی پیٹھ پیچھے برائی بیان کرنے کے ہیں۔ پیٹھ پیچھے کے مفہوم ہی میں یہ بات داخل ہے کہ غیبت کرنے والا چاہتا ہے کہ اس کے اس فعل کی خبر اس کو نہ ہو جس کی وہ برائی بیان کر رہا ہے۔ اسی خواہش کی بنا پر وہ یہ کام اس کے پیٹھ پیچھے صرف ان لوگوں کے سامنے کرتا ہے جو یا تو اس کے ہم راز و ہم خیال اور شریک مقصد ہوتے ہیں یا کم از کم ان سے یہ اندیشہ نہیں ہوتا کہ وہ اس کے ہم درد ہوں گے جس کی وہ برائی بیان کر رہا ہے اور اس کے سامنے یہ راز فاش کر دیں گے۔'' (تدبر قرآن ۷/ ۵۱۰)

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

اس فعل کا تجزیہ کیجیے تو اس کے پیچھے بھی وہی استکبار چھپا ہوا نظر آئے گا جو انسان کو دوسروں کی تحقیر و تذلیل پر آمادہ کرتا ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اس سے منع کیا اور فرمایا ہے کہ اس معاملے میں ہر شخص کو اپنے پروردگار سے ڈرنا چاہیے:

وَلَا يَغْتَبْ بَّعْضُكُمْ بَعْضًا، اَيُحِبُّ اَحَدُكُمْ اَنْ يَّاْكُلَ لَحْمَ اَخِيْهِ مَيْتًا، فَكَرِهْتُمُوْهُ، وَاتَّقُوا اللّٰهَ، اِنَّ اللّٰهَ تَوَّابٌ رَّحِيْمٌ. (الحجرات ۴۹:۱۲)

''اور تم میں سے کوئی کسی کی غیبت نہ کرے۔ کیا تمھارے اندر کوئی ایسا ہے کہ اپنے مردہ بھائی کا گوشت کھانا پسند کرے گا؟ سو تم اِس سے گھن کھاتے ہو۔ (اِس سے توبہ کرو) اور اللہ سے ڈرتے رہو۔ اس میں شبہ نہیں کہ اللہ بڑا توبہ قبول کرنے والا ہے، اس کی شفقت ابدی ہے۔''

تورات کے احکام کی طرح یہ قرآن کے احکام عشرہ ہیں۔ تمام اخلاقیات انھی دس احکام کی فرع ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے جن گناہوں کو 'کبائر الاثم و الفواحش'[۱] سے تعبیر کیا ہے، وہ انھی احکام کی خلاف ورزی سے پیدا ہوتے

۱؎ الشوریٰ ۴۲: ۳۷۔ النجم ۵۳: ۳۲۔

ہیں۔قرآن اس معاملے میں بالکل واضح ہے کہ اس خلاف ورزی کی سزا لوگوں کو قیامت میں بھگتنا پڑ سکتی ہے۔لہٰذا یہ ضروری ہے کہ ہر مسلمان اس معاملے میں متنبہ رہے۔اس کے لیے یہ تین باتیں پیش نظر رہنی چاہییں:

ایک یہ کہ ان میں سے کسی حکم کی خلاف ورزی اگر نادانستہ ہوئی ہے تو اللہ اس پر گرفت کرنے والا نہیں ہے۔اس کا قانون یہ ہے کہ اگر بلا ارادہ کوئی ایسی بات ہو جائے جو بظاہر تو ایک ممنوع فعل ہو، مگر اس میں درحقیقت اس ممنوع فعل کی نیت نہ ہو تو اس پر وہ کوئی مواخذہ نہ کرے گا۔منہ بولے بیٹوں کے بارے میں ایک حکم بیان کرتے ہوئے فرمایا ہے:

وَلَيۡسَ عَلَيۡكُمۡ جُنَاحٌ فِيۡمَآ اَخۡطَاۡتُمۡ بِهٖ، وَلٰكِنۡ مَّا تَعَمَّدَتۡ قُلُوۡبُكُمۡ، وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوۡرًا رَّحِيۡمًا. (الاحزاب ۳۳:۵)

''اس معاملے میں جو غلطی تم سے ہوئی ہے، اُس کے لیے کوئی گرفت نہیں ہے، لیکن تمھارے دل جس بات کا ارادہ کر لیتے ہیں، اس پر ضرور گرفت ہے۔اور اللہ بخشنے والا ہے، اس کی شفقت ابدی ہے۔''

دوسری یہ کہ ان احکام کی خلاف ورزی سے کوئی شخص اگر اپنے آپ کو بچائے رکھتا ہے تو اس کا صلہ یہ ہے کہ اس کے چھوٹے گناہوں کو اللہ تعالیٰ اپنی بے پایاں رحمت سے معاف فرما دیں گے، ورنہ چھوٹے اور بڑے گناہ، سب اس کے اعمال نامے میں درج ہوں گے اور اسے ان کا حساب دینا پڑے گا۔ارشاد ہوا ہے:

اِنۡ تَجۡتَنِبُوۡا كَبَآئِرَ مَا تُنۡهَوۡنَ عَنۡهُ نُكَفِّرۡ عَنۡكُمۡ سَيِّاٰتِكُمۡ، وَنُدۡخِلۡكُمۡ مُّدۡخَلًا كَرِيۡمًا. (النساء۴:۳۱)

''تمھیں جن باتوں سے روکا جا رہا ہے، اُن کے بڑے بڑے گناہوں سے اگر تم پرہیز کرتے رہو تو تمھاری چھوٹی برائیاں ہم تمھارے حساب سے ختم کر دیں گے اور تمھیں عزت کی جگہ داخل کریں گے۔''

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

تیسری یہ کہ جذبات سے مغلوب ہو کر اگر کوئی شخص ان میں سے کسی حکم کی خلاف ورزی کر بیٹھتا ہے تو اسے توبہ کر کے اپنے رویے کی اصلاح کرنی چاہیے۔اس کے لیے ضروری ہے کہ جتنی جلدی ممکن ہو، توبہ کر لی جائے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن میں واضح کر دیا ہے کہ اس کے اوپر صرف انھی لوگوں کی توبہ کا حق قائم ہوتا ہے جو جذبات سے مغلوب ہو کر کوئی گناہ کر بیٹھتے ہیں، پھر فوراً توبہ کر لیتے ہیں۔ان لوگوں کی توبہ اللہ کے نزدیک، کوئی توبہ نہیں ہے جو زندگی بھر گناہوں میں ڈوبے رہتے اور جب دیکھتے ہیں کہ موت سر پر آن کھڑی ہوئی ہے تو توبہ کا وظیفہ پڑھنے لگتے ہیں۔اسی طرح جانتے بوجھتے حق کا انکار کر دینے والوں کی توبہ بھی توبہ نہیں ہے، اگر وہ موت کے وقت تک اس انکار پر قائم رہے ہوں۔اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

اِنَّمَا التَّوْبَةُ عَلَی اللّٰہِ لِلَّذِیْنَ یَعْمَلُوْنَ السُّوْٓءَ بِجَھَالَۃٍ، ثُمَّ یَتُوْبُوْنَ مِنْ قَرِیْبٍ، فَاُولٰٓئِکَ یَتُوْبُ اللّٰہُ عَلَیْھِمْ، وَکَانَ اللّٰہُ عَلِیْمًا حَکِیْمًا. وَلَیْسَتِ التَّوْبَۃُ لِلَّذِیْنَ یَعْمَلُوْنَ السَّیِّاٰتِ حَتّٰٓی اِذَا حَضَرَ اَحَدَھُمُ الْمَوْتُ، قَالَ: اِنِّیْ تُبْتُ الْئٰنَ، وَلَا الَّذِیْنَ یَمُوْتُوْنَ، وَھُمْ کُفَّارٌ، اُولٰٓئِکَ اَعْتَدْنَا لَھُمْ عَذَابًا اَلِیْمًا.

(النساء۴: ۱۷۔۱۸)

’’اللہ پر توبہ قبول کرنے کی ذمہ داری تو انھی لوگوں کے لیے ہے جو جذبات سے مغلوب ہو کر گناہ کا ارتکاب کر بیٹھتے ہیں، پھر جلدی ہی توبہ کر لیتے ہیں۔ وہی ہیں جن کی توبہ اللہ قبول فرماتا ہے اور اللہ علیم و حکیم ہے۔ اُن لوگوں کے لیے البتہ، کوئی توبہ نہیں ہے جو گناہ کیے چلے جاتے ہیں، یہاں تک کہ جب اُن میں سے کسی کی موت کا وقت آ جاتا ہے، اُس وقت وہ کہتا ہے کہ اب میں نے توبہ کر لی ہے۔ اسی طرح اُن کے لیے بھی توبہ نہیں ہے جو مرتے دم تک منکر ہی رہیں۔ یہی تو ہیں جن کے لیے ہم نے دردناک سزا تیار کر رکھی ہے۔‘‘

توبہ کی قبولیت اور عدم قبولیت کی یہ دو صورتیں قرآن نے بالکل متعین کر دی ہیں۔ اس کے بعد صرف ایک صورت باقی رہ جاتی ہے کہ کوئی شخص گناہ کے بعد جلد ہی توبہ کر لینے کی سعادت تو حاصل نہیں کر سکا، لیکن اس نے اتنی دیر بھی نہیں کی کہ موت کا وقت آن پہنچا ہو۔ اس صورت کے بارے میں قرآن خاموش ہے اور استاذ امام کے الفاظ میں، یہ خاموشی جس طرح امید پیدا کرتی ہے، اسی طرح خوف بھی پیدا کرتی ہے اور قرآن حکیم کا منشا یہی معلوم ہوتا ہے کہ معاملہ بین الرجاء والخوف ہی رہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ اس کے باوجود ذہن کبھی کبھی اس طرف جاتا ہے کہ اس امت کے اس طرح کے لوگ، امید ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت سے نجات پا جائیں گے، اس لیے کہ ان کے بارے میں شفاعت کے ممنوع ہونے کی کوئی وجہ موجود نہیں ہے۔

[باقی]

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

الطاف احمد اعظمی

اسلام کا تصور عبادت

[''نقطۂ نظر'' کا یہ کالم مختلف اصحاب فکر کی نگارشات کے لیے مختص ہے۔ اس میں شائع ہونے والے مضامین سے ادارے کا متفق ہونا ضروری نہیں ہے۔]

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

اسلام کے تصور عبادت کو صحیح طور پر سمجھنے کے لیے ضروری ہے کہ پہلے لفظ عبادت کے معنی ومفہوم کو، جو عربی زبان ہی کا ایک لفظ ہے، ذہن نشین کر لیں۔ عبادت کے لغوی معنی انتہائی عجز و تذلل کے ہیں۔ امام راغب لکھتے ہیں:

''عبودیت کے معنی اظہار فروتنی کے ہیں اور عبادت کے معنی اس سے بھی ایک درجہ آگے یعنی غایت درجہ فروتنی کے ہیں۔ اس کی مستحق صرف وہ ذات ہے جس کی مہربانیاں بے پایاں ہیں۔ اسی لیے ارشاد ہوا ہے: ان لا تعبدوا الا ایاہ، ''صرف اسی کی عبادت کرو۔''[1]''

معروف عربی لغت لسان العرب میں ہے:

''عبادت کے معنی اطاعت کے ہیں۔ 'عبد الطاغوت' یعنی اس نے طاغوت کی اطاعت کی اور اسی معنی میں اللہ تعالیٰ کا قول ہے: 'ایاك نعبد' یعنی ہم تیری ہی عاجزانہ اطاعت کرتے ہیں۔ اور لغت میں عبادت کے معنی اطاعت مع الخضوع ہیں۔ چنانچہ وہ راستہ جو آمد و رفت کی کثرت سے پامال ہو گیا ہو، طریق معبد کہلاتا ہے۔[2]''

تاج العروس میں ہے:

''لغت میں عبادت کے معنی اطاعت مع الخضوع کے ہیں۔[3]''

---

[1] دیکھیں، مفردات راغب، بذیل مادہ ''عبد''۔

[2] لسان العرب، ج ۳، ص ۲۷۲۔

مفسرین نے بھی عبادت کے یہی معنی لکھے ہیں۔امام طبری فرماتے ہیں:

''جملہ اہل عرب کے نزدیک عبودیت کی اصل ذلت ہے اور اسی لیے وہ راستہ جو مسافروں کی آمد ورفت کی کثرت سے پست و پامال ہو چکا ہو، طریق معبد کہلاتا ہے۔طرفہ کا شعر ہے:

تبـاری عتـاقـاً نـاجیـات، واتبعـت
وظیـفـاً وظیـفـاً فـوق مـور مـعبـد[۴]

اس شعر میں 'مـور مـعبـد' سے مراد طریق معبد یعنی پامال راہ ہے۔اور اسی طرح وہ اونٹ جسے سواری کے لیے رام کیا جا چکا ہو 'بـعیـر مـعبد' کہلاتا ہے۔عبد کو بھی اسی وجہ سے عبد یعنی غلام کہتے ہیں کہ وہ اپنے آقا کا مطیع ومنقاد ہوتا ہے۔اشعار عرب میں اس کے شواہد اس کثرت سے ہیں کہ ان کا احاطہ مشکل ہے[۵]۔''

صاحب کشاف لکھتے ہیں:

''عبادت نام ہے غایت درجہ خضوع وتذلل کا اور اسی لیے اس لفظ کا استعمال صرف اللہ کے سامنے خضوع کے لیے خاص ہے، کیونکہ وہی آقا اور منعم حقیقی ہے۔اس لیے وہ اس کا مستحق ہے کہ اس کے آگے خضوع وتذلل کا اظہار کیا جائے[۶]۔''

علامہ علاء الدین بغدادی رقم طراز ہیں:

''عبادت انتہائی جھکاؤ اور پستی کا نام ہے۔(العبـادۃ اقصی غایۃ الخضوع والتذلل) غلام کو اسی لیے عبد کہتے ہیں کہ وہ بالکل جھکا ہوا اور مطیع ہوتا ہے[۷]۔''

علامہ ابن کثیر لکھتے ہیں:

''لغت میں عبادت کے معنی ذلت کے ہیں[۸]۔''

مفسرین اور اہل لغت کی اس تشریح سے واضح ہو گیا کہ عبادت میں ذلت اور خضوع کا مفہوم نمایاں ہے۔لیکن ان کے معنی میں تھوڑا فرق ہے۔صاحب ''لسان'' نے ذلت کے مفہوم کی وضاحت میں لکھا ہے:

---

۳ تاج العروس، ج۲،ص۴۱۔

۴ ترجمہ ''وہ تیز رفتار گھوڑیوں کا مقابلہ کرتی ہے اور ایک پیر پر کے پیچھے اور دوسرا پیر پامال راستے پر رکھتی چلی جاتی ہے۔''

۵ تفسیر طبری، ج۱،ص۹۔

۶ الکشاف، ج۱،ص۹۔

۷ تفسیر خازن مع البغوی، ج۱،ص۱۵۔

۸ تفسیر ابن کثیر، ج۱،ص۲۵۔

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

’’ذلت،قوت وشوکت اور غلبہ کی ضد ہے۔ اس کے معنی کمزوری، درماندگی اور مغلوبیت کے ہیں۔ ’الـذل‘ بالکسر کے معنی نرمی اور سہولت کے ہیں۔ یہ صعوبت کی ضد ہے۔ ’الـــذل‘ بالضم (ضمہ کے ساتھ ذل) بھی اسی معنی میں آتا ہے۔ ’ذلیـل‘ اور ’ذلـول‘ صفت کے طور پر آتا ہے۔ ’ذلـول‘ کا استعمال غیر ذوی العقول کے ساتھ مخصوص ہے اور ’ذلت‘ انسان کے لیے۔ ’ذلـت الدابۃ‘ کا مطلب ہے کہ جانور سواری کے لیے رام ہوگیا۔ ’فـرسٌ ذلولٌ‘ اس گھوڑے کو کہتے ہیں جو سرکشی چھوڑ کر مطیع ہوگیا ہو، جس پر سواری آسان ہوگئی ہو۔ طریق ذلیل اور طریق مذلل اس راستے کو کہتے ہیں جو پامال ہوکر ہموار ہوگیا ہو۔ ’ذلـت القوافی للشاعر‘ کا مطلب ہے کہ شاعر کو قوافی پر پوری قدرت اور غلبہ حاصل ہوگیا ہے۔ ’تذلل‘ کے معنی کمزور ہونا، مغلوب ہونا اور مطیع ہونا ہے[9]۔‘‘

اس وضاحت سے معلوم ہوا کہ ذلت اور تذلل کا مفہوم ہے سرکشی اور مزاحمت چھوڑ کر مغلوب اور تابع ہو جانا، اس طرح کہ جو مغلوب ہو، اس کے ظاہر و باطن سے پستی اور کمزوری ظاہر ہو۔ اسی لیے طریق ذلیل یا مذلل اس راستے کو کہتے ہیں جو اس طرح پست و پامال ہو چکا ہو کہ اس پر چلنے میں کوئی دشواری نہ ہو اور چلنے والا نہایت آسانی سے کسی ادنیٰ رکاوٹ کے بغیر اس سے گزر جائے۔ اس قسم کے راستوں کی ظاہری صورت ان کی پستی اور مغلوبیت کی تصویر ہوتی ہے۔ اسی طرح ’فـرس ذلول‘ کے معنی، جیسا کہ اوپر مذکور ہوا، اس گھوڑے کے ہیں جس پر سواری آسان ہو، دوسرے لفظوں میں سوار کسی مزاحمت کے بغیر اس پر سواری کر سکے اور اس کی حرکات وسکنات سے صاف ظاہر ہو کہ وہ سواری کے لیے بالکل پست و مغلوب ہو چکا ہے، اس کے اندر سرکشی نام کی کوئی چیز باقی نہیں رہ گئی ہے۔

خضوع کے معنی جھکنے کے ہیں۔ ’خـضـعـہ الکبر و اخضعہ‘ یعنی بڑھاپے نے اس کی کمر جھکا دی۔ ’نـعام اخضع‘، وہ شترمرغ ہے جس کی گردن چرنے میں زمین تک جھک جائے۔ اس سے معلوم ہوا کہ خضوع کا لفظ جوارح یعنی سر، گردن اور جسم کے جھکنے کے لیے آتا ہے۔ حضرت عمر فاروق کے بارے میں آتا ہے کہ جب وہ کسی کو سر جھکا کر نماز پڑھتے دیکھتے تو گردن اٹھا دیتے اور فرماتے: ’لیس الخضوع فی الرکاب‘ (خضوع گردن میں نہیں ہے) اور پھر دل کی طرف اشارہ کرتے کہ ’ھھنا‘ (یہاں ہے)۔ اسی لیے ’خـاضـع‘ کا اطلاق اس شخص پر بھی ہوتا ہے جو اپنا سر اور گردن مغلوب اور کمزور ہونے کی وجہ سے جھکا لے۔ (الـخـاضـع، الـمـطـاطی رأسہ وعنقہ للذل والاستکانۃ)۔

معلوم ہوا کہ خضوع کا لفظ اپنے اندر مغلوبیت کا جو پہلو رکھتا ہے، اس میں ظاہر بدن کی مغلوبیت نمایاں حیثیت رکھتی ہے۔ اسی لیے یہ اطاعت وانقیاد کے معنی میں زیادہ مستعمل ہے۔ لسان العرب میں ہے: ’الخضوع الانقیاد

---

9. لسان العرب، بذیل مادہ ’’ذل‘‘۔ مزید دیکھیں، المصباح المنیر احمد بن محمد۔

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

و المطاوعة '، لیکن اسی اطاعت وانقیاد پر خضوع کا اطلاق ہوگا جو رضا و رغبت کے ساتھ ہو۔ اسی لیے صاحب لسان نے خضوع کی تشریح میں انقیاد کے ساتھ مطاوعت (برضا اطاعت) کا اضافہ کیا ہے۔ لیکن کبھی یہ جبری اطاعت کے لیے بھی آتا ہے۔[10]

یہاں یہ بات فراموش نہ ہو کہ عبادت کے لغوی معنی میں پرستش کا مفہوم بھی شامل ہے۔ 'تعبد' کے معنی 'تنسك' کے ہیں یعنی گوشہ گیر ہو کر کسی برتر ہستی کی یاد اور اس کی تعظیم میں مشغول ہونا۔ 'متعبد' وہ شخص ہے جو عبادت کے لیے گوشہ گیر ہو جائے۔ 'عبد به' کا مطلب ہے: 'لزمه فلم يفارقه' یعنی اس سے وابستہ ہو گیا اور جدا نہ ہوا۔ 'معبد' کے معنی جہاں منقاد کے ہیں، وہاں اس کے معنی معبود کے بھی ہیں۔ ایک شاعر کہتا ہے:

تقول لا تبقی علیك فاننی — اری المال عند المسکین معبدا

''میری بیوی ملامت کرتی ہے کہ نمود و دہش میں تو اپنا بھی خیال نہیں رکھتا۔ میں تو دیکھتی ہوں کہ مال بخیلوں کے یہاں پوجا جاتا ہے۔''

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

قرآنی مفہوم

قرآن مجید کی بکثرت آیات میں عبادت اور اس کے مشتقات کا استعمال ہوا ہے اور اس سے اس کا واقعی مفہوم بالکل متعین ہو جاتا ہے، یعنی اطاعت مع الخضوع۔ مثلاً ایک جگہ فرمایا گیا ہے:

قُلْ إِنِّیْ نُهِیْتُ أَنْ أَعْبُدَ الَّذِیْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَمَّا جَآءَ نِیَ الْبَیِّنَاتُ مِنْ رَّبِّیْ وَأُمِرْتُ أَنْ أُسْلِمَ لِرَبِّ الْعَالَمِیْنَ. (المؤمن ۴۰:۶۶)

''اے نبی، ان لوگوں سے کہہ دو کہ مجھے ان کی عبادت سے منع کیا گیا ہے جنھیں تم خدا کے سوا پکارتے ہو (میں یہ کام کیسے کر سکتا ہوں) جب کہ میرے رب کی طرف سے میرے پاس روشن دلائل آ چکے ہیں۔ اور مجھے تو یہی حکم دیا گیا ہے کہ میں رب کائنات کے آگے اپنا سر جھکا دوں۔''

دوسری جگہ فرمایا گیا ہے:

قَالُوْا نَعْبُدُ إِلٰـهَكَ وَإِلٰـهَ آبَائِكَ إِبْرَاهِیْمَ وَإِسْمَاعِیْلَ وَإِسْحَاقَ إِلٰـهاً وَاحِداً

''انھوں (اولاد یعقوب) نے کہا کہ ہم تیرے معبود اور تیرے باپ دادا ابراہیم و اسماعیل اور اسحاق کے

---

[10] تفصیل کے لیے دیکھیں، لسان العرب، ج ۹، ص ۴۲۵۔ ۴۲۷۔

وَنَحْنُ لَهُ مُسْلِمُونَ. (البقرہ۲:۱۳۳)

معبود کی عبادت کریں گے جو تنہا معبود ہے اور ہم اسی کے مطیع وفرماں بردار ہوں گے۔''

مذکورہ دونوں آیتوں میں 'اسلم' اور 'مسلمون' کے الفاظ دراصل 'اعبد' اور 'نعبد' کی معنوی وضاحت کے لیے استعمال کیے گئے ہیں۔ اور یہ معلوم ہے کہ لغت میں اسلام[11] کے معنی اطاعت وفرماں برداری کے ہیں۔ بعض مقامات پر عبادت کے اس مفہوم کو کھول دیا گیا ہے۔ ایک جگہ ارشاد ہوا ہے:

فَقَالُوا أَنُؤْمِنُ لِبَشَرَيْنِ مِثْلِنَا وَقَوْمُهُمَا لَنَا عَابِدُونَ. (المؤمنون۲۳:۴۷)

''انھوں نے کہا، کیا ہم لوگ اپنے ہی جیسے دو آدمیوں کی بات مان لیں حالانکہ ان کی قوم (یعنی بنی اسرائیل) ہماری مطیع ہے۔''

دوسری جگہ فرمایا گیا ہے:

يَـا أَبَـتِ لَا تَعْبُدِ الشَّيْطَانَ إِنَّ الشَّيْطَانَ كَانَ لِلرَّحْمَنِ عَصِيّاً. (مریم۱۹:۴۴)

''ابا جان، شیطان کی بندگی نہ کیجیے، بے شک شیطان نے اپنے رب کی نافرمانی کی ہے۔''

آخری آیت میں شیطان کی عبادت کے معنی اس کی اطاعت و پیروی کے ہیں۔ اس لیے کہ معروف معنی میں شیطان کی پرستش کوئی آدمی بھی نہیں کرتا ہے۔ آیت میں 'عصیا' کا لفظ بھی اس معنی کی طرف رہبری کرتا ہے جس کے معنی نافرمان کے ہیں۔ مفسرین نے اس آیت کی تشریح میں عبادت کے معنی اطاعت ہی کے لکھے ہیں۔ علامہ ابن کثیر لکھتے ہیں:

لا تعبد الشيطان اى لا تطعه فى عبادة هذه الاصنام.[12]

''شیطان کی عبادت نہ کرو یعنی ان بتوں کی پوجا کرنے میں اس کی اطاعت نہ کرو۔''

علامہ نسفی لکھتے ہیں:

اى لا تـطـعــه فيـمـا سول من عبـادة الصنم.[13]

''یعنی ان بتوں کی پوجا کرنے کی گمراہی میں اس کی اطاعت نہ کرو۔''

---

[11] اس لفظ کے مادہ میں خود کو حوالہ کر دینے کا مفہوم غالب ہے اور یہیں سے اس میں اطاعت وفرماں برداری کے معنی پیدا ہوئے۔

[12] تفسیر ابن کثیر، ج۳، ص۲۲۳۔

[13] مدارک التنزیل، ج۳، ص۳۶، ۳۷۔

www.al-mawrid.org www.javedahmadghamidi.com

علامہ قرطبی فرماتے ہیں:

ای لا تطعه فیما یامرك من الكفر و من اطاع شیئا فی معصیة فقد عبده.[14]

''جس کفر کا یہ تجھے حکم دیتا ہے، اس میں اس کی بات نہ مان، اور جس نے نافرمانی میں کسی کی ادنیٰ اطاعت بھی کی تو گویا اس نے اس کی عبادت کی۔''

اس سلسلے میں قرآن مجید کی ایک اور آیت ملاحظہ ہو:

بَلۡ کَانُوۡا یَعۡبُدُوۡنَ الۡجِنَّ.

''بلکہ وہ جنوں کی عبادت کرتے تھے''

(سبا ۳۴: ۴۱)

اس آیت میں بھی عبادت کے معنی جنوں کی اطاعت کے ہیں۔ علامہ ابن جوزی لکھتے ہیں:

بل كانوا یعبدون الجن ای یطیعون الشیاطین فی عبادتهم.[15]

''بلکہ وہ جنوں کی عبادت کرتے تھے یعنی ان کی عبادت کرنے میں شیاطین کی اطاعت کرتے تھے۔''

یہ آیت بھی قابل ملاحظہ ہے:

اَلَمۡ اَعۡهَدۡ اِلَیۡکُمۡ یٰبَنِیۡۤ اٰدَمَ اَنۡ لَّا تَعۡبُدُوا الشَّیۡطٰنَ. (یٰسین ۳۶: ۶۰)

''اے بنی آدم، کیا میں نے تم سے یہ عہد نہیں لیا تھا کہ تم شیطان کی عبادت نہیں کرو گے۔''

اس آیت میں بھی شیطان کی عبادت کے معنی اس کی اطاعت کے ہیں۔ ابن جوزی اس کی تشریح میں لکھتے ہیں:

الم اعهد الیكم ای الم امركم، الم اوصكم، ولا تعبدوا بمعنی لا تطیعوا، الشیطان هو ابلیس زین لهم الشرك فاطاعوه.[16]

''کیا میں نے تم سے عہد نہیں لیا تھا، یعنی میں نے تمھیں حکم نہیں دیا، کیا تمھیں وصیت نہیں کی۔ اور 'لا تعبدوا' بمعنی 'لا تطیعوا' ہے یعنی اطاعت نہ کرو۔ شیطان سے مراد ابلیس ہے جس نے ان کے لیے شرک کو مزین کیا پس انھوں نے اس کی اطاعت کی۔''

معلوم ہوا کہ قرآن مجید میں عبادت کا لفظ واضح طور پر اطاعت کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔ لیکن ہر اطاعت کو

۱۴؎ تفسیر قرطبی، ج ۱۱، ص ۱۱۱، مزید دیکھیں، فتح القدیر (شوکانی)، ج ۳، ص ۳۲۴۔

۱۵؎ زاد المسیر، ج ۶، ص ۴۶۳، مزید دیکھیں، معالم التنزیل، بغوی، علی ھامشہ وفی النفسی، ج ۳، ص ۳۲۸۔

۱۶؎ زاد المسیر، ج ۷، ص ۳۰۔

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

عبادت نہیں کہیں گے۔ عبادت کا اطلاق صرف اس حالت پر ہوگا جس میں سر کے ساتھ دل بھی پوری طرح جھکا ہوا ہو، یعنی برضا و رغبت تابع داری اور سرافگندگی۔ اس کے برخلاف صورت کو قرآن مجید نے استکبار سے تعبیر کیا ہے۔

ایک جگہ ارشاد ہوا ہے:

وَمَن یَسۡتَنکِفۡ عَنۡ عِبَادَتِهِ وَیَسۡتَکۡبِرۡ فَسَیَحۡشُرُهُمۡ إِلَیۡهِ جَمِیۡعاً. (النساء ۴:۱۷۲)

''اور جو شخص اس کی عبادت (یعنی اطاعت و بندگی) کو اپنے لیے عار سمجھے گا اور استکبار کرے گا تو وہ (ایک دن) سب کو اپنے پاس جمع کرے گا (اور اس وقت معلوم ہو جائے گا کہ کبریائی کے لائق کون ہے)۔''

دوسری جگہ فرمایا ہے:

وَلِلّٰهِ یَسۡجُدُ مَا فِیۡ السَّمَاوَاتِ وَمَا فِیۡ الۡأَرۡضِ مِنۡ دَآبَّةٍ وَالۡمَلآئِکَةُ وَهُمۡ لَا یَسۡتَکۡبِرُوۡنَ. (النحل ۱۶:۴۹)

''آسمانوں اور زمین کی تمام ذی حیات مخلوقات اور فرشتے، سب اللہ کے آگے سربسجود ہیں اور وہ استکبار نہیں کرتے۔''

اس آخری آیت میں سجدہ کے لفظ نے استکبار کے معنی کو بالکل متعین کر دیا ہے، یعنی خدا کے بالمقابل اپنی ہستی کو بڑا سمجھنا اور اس کے سامنے سر اطاعت جھکانے سے اعراض کرنا، اس لیے لازماً عبادت کے معنی ہوئے، خدا کے بالمقابل اپنی ہستی کو حقیر ترین سمجھنا اور اس کے آگے سر اطاعت خم کرنا، لیکن عبادت میں جیسا کہ اس سے پہلے بیان ہوا، اطاعت مع الخضوع یعنی برضا و رغبت تابع داری کا مفہوم غالب ہے۔

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

حقیقت عبادات

عبادت کے مذکورہ بالا لغوی اور قرآنی مفہوم کی روشنی میں دیکھیں تو اسلام میں عبادت کی حقیقت پوری طرح واضح ہو جاتی ہے۔ اس کائنات کی ہر چیز خواہ چھوٹی ہو یا بڑی خدا کے بنائے ہوئے قوانین کی پیروی کر رہی ہے جیسا کہ فرمایا گیا ہے:

وَلَهُ أَسۡلَمَ مَن فِیۡ السَّمَاوَاتِ وَالۡأَرۡضِ طَوۡعاً وَکَرۡهاً. (آل عمران ۳:۸۳)

''آسمانوں اور زمین میں جو بھی زندہ وجود ہے، وہ اس کے آگے، خواہ خوشی سے اور خواہ جبر سے، سرفگندہ ہے''

یہ جبری اطاعت کا قانون پوری کائنات میں نافذ ہے۔ اس قانون سے انسان کی تکوینی زندگی بھی مستثنیٰ نہیں ہے،

لیکن اس کی تمدنی اور اخلاقی زندگی اس جبری اطاعت سے آزاد ہے۔ زندگی کے اسی حصے کو اپنی خوشی سے خدا کی مرضی کے تابع کر دینا حقیقی معنی میں عبادت ہے، اور یہی اسلام کی حقیقت بھی ہے۔ ایک جگہ فرمایا گیا ہے:

قَالُوا نَعْبُدُ إِلٰهَكَ وَإِلٰهَ آبَائِكَ إِبْرَاهِيمَ وَإِسْمَاعِيلَ وَإِسْحَاقَ إِلٰهاً وَاحِداً وَنَحْنُ لَهُ مُسْلِمُونَ. (البقرہ ۲: ۱۳۳)

''انھوں نے کہا، ہم تیرے معبود اور تیرے باپ دادا ابراہیم، اسماعیل اور اسحاق کے معبود کی، جو تنہا معبود ہے، عبادت کریں گے اور ہم اسی کے فرماں بردار ہوں گے۔''

اور یہی انسان کی غایت تخلیق بھی ہے:

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ. (الذاریات ۵۱: ۵۶)

''ہم نے جنوں اور انسانوں کو صرف عبادت کے لیے پیدا کیا ہے۔''

اس آیت میں جس عبادت کو انسان کی غایت تخلیق کہا گیا ہے، وہ دل کی کامل رضا و رغبت کے ساتھ خدا کی فرماں برداری ہے۔ اسلام میں ایک عبادت گزار سے جہاں یہ مطلوب ہے کہ وہ اپنے اعضا و جوارح سے خدا کے سامنے عجز و تذلل کا اظہار کرے، جسے عرف عام میں پرستش سے تعبیر کیا جاتا ہے، وہاں اس سے یہ بھی مطلوب ہے کہ وہ معاملات زندگی میں دل کی مکمل رضا کے ساتھ حتی المقدور خدا کی فرماں برداری کرے اور اس کی نافرمانی سے بچے۔ بندے کے اس عابدانہ رویے کا نام قرآن مجید کی زبان میں تقویٰ ہے۔ عبادت اور تقویٰ میں گہرا رشتہ ہے۔ قرآن مجید میں متعدد مقامات پر اس ربط و تعلق کو واضح کر دیا گیا ہے۔ مثلاً ایک جگہ فرمایا گیا ہے:

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

أَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَاتَّقُوهُ وَأَطِيعُونِ. (نوح ۷۱: ۳)

''یہ کہ اللہ کی بندگی کرو اور اس کی نافرمانی سے بچو۔''

دوسری جگہ فرمایا ہے:

وَإِبْرَاهِيمَ إِذْ قَالَ لِقَوْمِهِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَاتَّقُوهُ. (العنکبوت ۲۹: ۱۶)

''اور ابراہیم کہ جب اس نے اپنی قوم کے لوگوں سے کہا کہ اللہ کی بندگی کرو اور اس کی نافرمانی سے بچو۔''

ایک اور مقام پر ارشاد ہوا ہے:

وَإِنَّ هَذِهِ أُمَّتُكُمْ أُمَّةً وَاحِدَةً وَأَنَا رَبُّكُمْ فَاتَّقُونِ. (المومنون ۲۳: ۵۲)

اس آیت میں 'فاعبدون' کی جگہ 'فاتقون' (پس میری نافرمانی سے بچو) کے جملہ نے عبادت کے مفہوم کو کھول دیا ہے کہ وہ دل سے خدا کی اطاعت و فرماں برداری کا نام ہے۔

اخلاص عبادت

اسلامی عبادت کے مفہوم میں جس طرح برضا و رغبت خداے واحد کی اطاعت و بندگی کا مفہوم، جیسا کہ اوپر بیان ہوا، بنیادی حیثیت رکھتا ہے، اسی طرح ضروری ہے کہ یہ اطاعت و بندگی خالص ہو، اس میں کسی طرح کی آمیزش نہ ہو۔ قرآن کی اصطلاح میں اس بے آمیز عبادت کو 'اخلاص دین' کہا گیا ہے۔ ارشاد ہوا ہے:

إِنَّـا أَنـزَلْـنَا إِلَيْكَ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ فَاعْبُدِ اللّٰـهَ مُـخْـلِـصـاً لَّهُ الدِّيْنَ أَلَا لِلّٰهِ الدِّيْنُ الْخَالِصُ. (الزمر ۳۹:۲)

''بے شک، ہم نے یہ کتاب تمھاری طرف مطابق حق اتاری ہے تو تم اللہ ہی کی بندگی کرو اطاعت کو اسی کے لیے خاص کرتے ہوئے۔ سن لو کہ خالص اطاعت کا سزاوار اللہ ہی ہے۔''

دوسری جگہ فرمایا ہے:

وَمَـا أُمِرُوا إِلَّا لِيَعْبُدُوا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ حُنَفَاءَ. (البینہ ۹۸:۵)

''ان کو بس یہی حکم دیا گیا تھا کہ وہ اللہ کی بندگی کریں، اطاعت کو اسی کے لیے خاص کرتے ہوئے، بالکل یک سو ہو کر۔''

اخلاص کے لفظی معنی چھانٹ کر الگ کر دینے کے ہیں یعنی اگر کسی چیز میں کوئی اور شے خارج سے آکر شامل ہو گئی ہو تو اس کو اصل شے سے جدا کر دینا اخلاص ہے۔ 'خلص الماء من الکدر' کا مطلب ہے، پانی کا میل کچیل سے پاک و صاف ہونا۔ اسی سے لفظ خالص بنا ہے جو اردو میں کثیر الاستعمال ہے۔ عربی میں 'ھذا ثوب خالص' کے معنی ہیں 'یہ صاف رنگ کا کپڑا ہے' یعنی اس میں کسی دوسرے رنگ کی آمیزش نہیں ہے۔ دین کے معنی لغت میں متعدد ہیں۔ ایک معنی اطاعت کے بھی ہیں۔ اوپر کی آیت میں یہ اطاعت کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔

''اخلاص اور دین'' کی اس لغوی وضاحت کے مطابق مذکورہ بالا آیات میں اخلاص دین کا مفہوم یہ ہوا کہ خدا کی اطاعت کے ساتھ کوئی دوسری اطاعت یا اطاعتیں جمع نہ ہوں۔ خدا کی خالص اطاعت و بندگی کو جن چیزوں نے ہمیشہ سے داغ دار کیا ہے، ان میں نفس اور مخلوق کی اطاعت نمایاں حیثیت رکھتی ہے۔ اول الذکر اطاعت کے متعلق فرمایا گیا ہے:

أَفَرَأَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ إِلٰهَهُ هَوَاهُ. (الجاثیہ ۴۵:۲۳)

''کیا تم نے دیکھا اس آدمی کو جس نے اپنی خواہش کو معبود بنا لیا ہے۔''

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

موخر الذکر اطاعت میں مرئی اور غیر مرئی، دونوں مخلوقات شریک رہی ہیں۔ غیر مرئی مخلوق میں فرشتے اور مرئی مخلوق میں وفات یافتہ بزرگان دین قابل ذکر ہیں۔ہم نے اوپر سورۂ زمر کی جو آیت نقل کی ہے، جس میں خدا کی خالص اطاعت کا حکم دیا گیا ہے، اس سے ٹھیک متصل یہ آیت ہے:

وَالَّذِیْنَ اتَّخَذُوا مِنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِیَآءَ مَا نَعْبُدُھُمْ اِلَّا لِیُقَرِّبُوْنَآ اِلَی اللّٰهِ زُلْفٰی اِنَّ اللّٰهَ یَحْکُمُ بَیْنَھُمْ فِیْ مَا ھُمْ فِیْهِ یَخْتَلِفُوْنَ اِنَّ اللّٰهَ لَا یَهْدِیْ مَنْ ھُوَ کٰذِبٌ کَفَّارٌ. (الزمر ۳۹:۳)

''اور جن لوگوں نے اس کے سوا دوسرے کارساز (اولیا) بنا رکھے ہیں، کہتے ہیں کہ ہم ان کی عبادت صرف اس لیے کرتے ہیں کہ یہ ہم کو خدا سے قریب کر دیں۔ اللہ ان کے درمیان اس بات کا فیصلہ کرے گا جس میں وہ اختلاف کر رہے ہیں۔ اللہ ان لوگوں کو راہ نہیں دکھاتا جو جھوٹے اور ناشکرے ہیں۔''

اس آیت میں بہت واضح طور پر وفات یافتہ صلحا اور انبیا کی کارسازی کی تردید کی گئی ہے اور کہا گیا ہے کہ جو لوگ یہ خیال رکھتے ہیں، وہ جھوٹے ہیں اور ناشکرے بھی۔ نفس پرستی اور غیر خدا کی مطلق کارسازی کے عقیدہ کے علاوہ درج ذیل امور بھی اخلاص عبادت کے منافی ہیں:

[ا] خدا کے سوا کسی دوسرے کو، خواہ وہ نبی اور ولی ہی کیوں نہ ہو، سجدہ نہ کیا جائے اس لیے کہ سجدہ عبادت (نماز) کا ایک اہم رکن ہے اور وہ اللہ کے لیے مخصوص ہے۔ فرمایا گیا ہے:

یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا ارْکَعُوْا وَاسْجُدُوْا وَاعْبُدُوْا رَبَّکُمْ. (الحج ۲۲:۷۷)

''اے ایمان والو، رکوع اور سجدہ کرو اور اپنے رب کی عبادت کرو۔''

معلوم ہوا کہ رکوع اور سجدہ عبادت میں داخل ہیں، اس لیے یہ دونوں عمل کسی بھی شکل میں مخلوق کے لیے جائز نہیں، خواہ تعظیم کی غرض سے ہو اور خواہ اطاعت و بندگی کے اظہار کے لیے[۱۷]۔ یہاں کسی کے ذہن میں یہ بات آ سکتی ہے کہ قرآن میں برادران یوسف کی سجدہ گزاری کا ذکر آیا ہے۔ اس سجدہ کا مطلب زمین پر گر جانا نہیں، بلکہ سر کو ذرا آگے کی طرف خم کرنا ہے۔ اس کو انگریزی میں 'Bow down' کہتے ہیں[۱۸]۔ اس سے مقصود اعتراف عز و کمال ہے۔ قرآن مجید میں متعدد مقامات پر آسمان و زمین نیز درخت اور پہاڑ کی سجدہ گزاری کا بیان ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ چیزیں

۱۷؎ فتاویٰ عالم گیری کے الفاظ ہیں: لا یکفر ولکن یاثم لارتکابه الکبیرة (ص ۳۶۹) ''غیر اللہ کو سجدۂ تعظیمی کرنے والوں کی تکفیر تو نہیں کی جائے گی، لیکن گناہ گار ٹھہرایا جائے گا، اس لیے کہ انھوں نے گناہ کبیرہ کا ارتکاب کیا ہے۔''

۱۸؎ توریت کے انگریزی ترجمہ میں اس مقام پر 'Bow down' ہی کا لفظ استعمال کیا گیا ہے۔

www.javedahmadghamidi.org www.al-mawrid.org

معروف معنی میں سجدہ نہیں کر سکتی ہیں، اس لیے لازماً ان کے سجدے کا مطلب اللہ کے طبعی قوانین کی تعمیل ہے۔ پس کسی مخلوق کو حقیقی معنی میں سجدہ کرنا ظاہر کرتا ہے کہ سجدہ گزار اس کا مطیع و عابد ہے اور یہ عمل اخلاص عبادت کے منافی ہوگا۔

[۲] کسی مخلوق کو مافوق الطبعی طور پر حاجت روا[19] اور مشکل کشا سمجھ کر نہ پکارا جائے کہ یہ عمل اخلاص عبادت کے منافی ہے۔ صاف لفظوں میں کہا گیا ہے:

وَلَا تَدْعُ مِن دُونِ اللّٰهِ مَا لَا يَنفَعُكَ وَلَا يَضُرُّكَ فَإِن فَعَلْتَ فَإِنَّكَ إِذاً مِّنَ الظَّالِمِيْنَ. (یونس ۱۰:۱۰۶)

''اللہ کے سوا کسی کو نہ پکار جو نہ تمھیں نفع پہنچائیں اور نہ نقصان۔ اگر تم نے ایسا کیا (یعنی حاجتوں اور مصیبتوں میں غیر خدا کو مدد کے لیے پکارا) تو تمھارا شمار ظالموں (مشرکوں) میں ہوگا۔''

ہر مذہب کے درویشوں اور ولیوں کے بارے میں اس کے غالی پیرووں کا یہ خیال رہا ہے اور آج بھی ہے کہ وہ خدا کی طرف سے تصرف کا اختیار رکھتے ہیں اور اپنے ماننے والوں کو نفع و نقصان پہنچا سکتے ہیں۔ اسی باطل خیال کے تحت وہ ان کے مقابر پر جا کر ان سے مدد مانگتے ہیں۔ قرآن مجید میں اس اختیار و تصرف کی شدت کے ساتھ تردید کی گئی ہے اور بتایا گیا ہے کہ کوئی مخلوق کسی نوع کے مافوق الفطری اختیار سے بہرہ ور نہیں ہے۔ اس مضمون کی چند آیات ملاحظہ ہوں:

o وَالَّذِيْنَ تَدْعُونَ مِن دُونِهِ مَا يَمْلِكُونَ مِن قِطْمِيْرٍ إِن تَدْعُوهُمْ لَا يَسْمَعُوا دُعَاءَكُمْ وَلَوْ سَمِعُوا مَا اسْتَجَابُوا لَكُمْ وَيَوْمَ الْقِيَامَةِ يَكْفُرُونَ بِشِرْكِكُمْ وَلَا يُنَبِّئُكَ مِثْلُ خَبِيْرٍ. (فاطر ۳۵:۱۳، ۱۴)

''اس کے سوا جن ہستیوں کو تم پکارتے ہو، وہ کھجور کی گٹھلی کے بھی مالک نہیں ہیں۔ اگر تم انھیں پکارو تو وہ (بذات خود) تمھاری پکار کو سن نہیں سکتے، اور اگر (کسی ربانی ذریعہ سے) سن بھی لیں تو تمھاری حاجت روائی نہیں کر سکتے، اور روز آخرت وہ تمھارے شرک کا انکار کر دیں گے، ایک باخبر (یعنی اللہ) کے سوا کوئی دوسرا تمھیں اس حقیقت کی خبر نہ دے گا۔''

o أَفَحَسِبَ الَّذِيْنَ كَفَرُوا أَن يَتَّخِذُوا

''پس کیا منکرین حق نے یہ گمان کر رکھا ہے کہ وہ مجھ

---

[19] قرآن مجید میں ہے: 'فابتغو عند اللّٰه الرزق واعبدوه واشكروا له' (العنکبوت ۲۹:۱۷) ''پس اسی سے رزق چاہو، اور اسی کی بندگی کرو اور اس کا شکر بجا لاؤ۔''

عِبَادِیْ مِن دُونِیْ أَوْلِیَاء إِنَّا أَعْتَدْنَا جَهَنَّمَ لِلْكَافِرِيْنَ نُزُلًا. (الکہف ۱۸:۱۰۲)

کو چھوڑ کر (میرے بندوں کو) اپنا ولی اور کارساز بنا لیں (اور میں ان کا محاسبہ نہ کروں گا) ہم نے جہنم کو ایسے منکروں کے استقبال کے لیے تیار کر رکھا ہے۔''

o قُلْ أَفَاتَّخَذْتُم مِّن دُونِهِ أَوْلِيَاء لَا يَمْلِكُونَ لِأَنفُسِهِمْ نَفْعاً وَلَا ضَرّاً. (الرعد ۱۳:۱۶)

''کہو، کیا تم لوگوں نے اللہ کو چھوڑ کر ان کو اپنا ولی اور کارساز بنالیا ہے جو خود اپنے نفع ونقصان کا بھی اختیار نہیں رکھتے۔''

o مَا لَهُم مِّن دُونِهِ مِن وَلِيٍّ وَلَا يُشْرِكُ فِيْ حُكْمِهِ أَحَداً. (الکہف ۱۸:۲۶)

''اس کے سوا ان کا کوئی کارساز نہیں ہے اور وہ اپنے اختیار میں کسی کو ساجھی نہیں بناتا۔''

بہت سے نادان کہتے ہیں، اور عرب کے مشرکین کا بھی خیال تھا، کہ وہ حاجات و بلایا میں غیر خدا کو محض وسیلہ سمجھ کر پکارتے ہیں۔ دوسرے لفظوں میں چونکہ وہ خدا کے مقرب ہیں، اس لیے وہ اللہ سے کہہ کر ان کی مرادیں پوری کر دیتے ہیں یا ان کے کہنے سے اللہ ان کی حاجتیں پوری کرتا ہے۔ گویا وہ خدا کے ہاں ان کے سفارشی ہیں۔ قرآن مجید نے اس خیال کو باطل قرار دیا ہے۔ فرمایا گیا ہے:

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

أَمِ اتَّخَذُوا مِن دُونِ اللَّهِ شُفَعَاء قُلْ أَوَلَوْ كَانُوا لَا يَمْلِكُونَ شَيْئاً وَلَا يَعْقِلُونَ. قُل لِّلَّهِ الشَّفَاعَةُ جَمِيعاً لَّهُ مُلْكُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ ثُمَّ إِلَيْهِ تُرْجَعُونَ. (الزمر ۳۹:۴۳، ۴۴)

''کیا انھوں نے اللہ کے سوا دوسروں کو سفارشی بنا رکھا ہے! کہو، اگرچہ نہ وہ کچھ اختیار رکھتے ہوں اور نہ کچھ سمجھتے ہوں۔ کہہ دو کہ سفارش تمام تر اللہ ہی کے اختیار میں ہے، آسمانوں اور زمین کی بادشاہی اسی کی ہے۔ پھر تم اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے۔''

دوسری جگہ فرمایا ہے:

وَيَعْبُدُونَ مِن دُونِ اللّهِ مَا لَا يَضُرُّهُمْ وَلَا يَنفَعُهُمْ وَيَقُولُونَ هَـؤُلاء شُفَعَاؤُنَا عِندَ اللّهِ قُلْ أَتُنَبِّئُونَ اللّهَ بِمَا لَا يَعْلَمُ فِيْ السَّمَاوَاتِ وَلَا فِيْ الْأَرْضِ سُبْحَانَهُ وَتَعَالَى عَمَّا يُشْرِكُونَ. (یونس ۱۰:۱۸)

''اور وہ اللہ کے سوا ایسوں کی پرستش کرتے ہیں جو نہ ان کو نفع پہنچا سکیں اور نہ نقصان، اور وہ کہتے ہیں کہ یہ اللہ کے ہاں ہمارے سفارشی ہیں، کہہ دو، کیا تم اللہ کو ایسی بات کی خبر دیتے ہو جس کا اس کو علم نہیں، نہ آسمانوں میں اور نہ زمین میں۔ وہ پاک اور بلند ہے ان چیزوں سے جن کو وہ اس کا شریک ٹھہراتے ہیں۔''

نادان لوگ جن اولیا اور بزرگان دین کے وسیلے پر اعتماد کرتے ہیں ان کا حال قرآن مجید نے ان لفظوں میں بیان کیا ہے:

قُلِ ادْعُواْ الَّذِیْنَ زَعَمْتُم مِّن دُونِهِ فَلاَ یَمْلِکُونَ کَشْفَ الضُّرِّ عَنکُمْ وَلاَ تَحْوِیْلاً. أُولَئِكَ الَّذِیْنَ یَدْعُونَ یَبْتَغُونَ إِلَی رَبِّهِمُ الْوَسِیْلَةَ أَیُّهُمْ أَقْرَبُ وَیَرْجُونَ رَحْمَتَهُ وَیَخَافُونَ عَذَابَهُ إِنَّ عَذَابَ رَبِّكَ کَانَ مَحْذُوراً.

(بنی اسرائیل ۱۷: ۵۶، ۵۷)

''کہو کہ ان کو پکار دیکھو، جن کو تم نے اس کے سوا معبود خیال کر رکھا ہے، وہ نہ تم سے کسی مصیبت کو دفع کر سکیں گے، نہ اس کو ٹال سکیں گے۔ یہ لوگ جن کو پکارتے ہیں وہ تو خود ہی اپنے رب تک رسائی حاصل کرنے میں لگے ہوئے ہیں کہ ان میں سے کون سب سے زیادہ مقرب بنتا ہے۔ وہ اپنے رب کی رحمت کے امیدوار ہیں اور اس کے عذاب سے ڈرتے ہیں۔ بے شک، تمھارے رب کا عذاب ہے ہی ڈرنے کے قابل۔''

[۳] اخلاص عبادت میں یہ بات بھی داخل ہے کہ خدا کی بخشی ہوئی نعمتوں میں کسی مخلوق کو شریک نہ کیا جائے۔ یہ گمان رکھنا کسی مومن کے لیے جائز نہیں کہ اس کو جو نعمتیں حاصل ہیں، خواہ اولاد ہو، مال و منال ہو یا عہدہ و منزلت ہو، وہ خدا کے سوا کسی اور نے دی ہیں، براہ راست یا بالواسطہ، فرمایا ہے:

وَاشْکُرُواْ نِعْمَتَ اللّهِ إِن کُنتُمْ إِیَّاهُ تَعْبُدُونَ. (النحل ۱۶: ۱۱۴)

''اور اللہ کی نعمت کا شکر بجا لاؤ اگر تم فی الواقع اسی کی عبادت کرتے ہو۔''

قرآن مجید میں ایک دوسری جگہ تمثیل کے پیرایہ میں اس حقیقت کو ان لفظوں میں ذہن نشین کرایا گیا ہے:

فَلَمَّا تَغَشَّاهَا حَمَلَتْ حَمْلاً خَفِیْفاً فَمَرَّتْ بِهِ فَلَمَّا أَثْقَلَت دَّعَوَا اللّهَ رَبَّهُمَا لَئِنْ آتَیْتَنَا صَالِحاً لَّنَکُونَنَّ مِنَ الشَّاکِرِیْنَ. فَلَمَّا آتَاهُمَا صَالِحاً جَعَلاَ لَهُ شُرَکَاء فِیْمَا آتَاهُمَا فَتَعَالَی اللّهُ عَمَّا یُشْرِکُونَ. أَیُشْرِکُونَ مَا لاَ یَخْلُقُ شَیْئاً وَهُمْ یُخْلَقُونَ. وَلاَ یَسْتَطِیْعُونَ لَهُمْ

''پھر جب مرد نے عورت کو ڈھانک لیا تو اسے ایک خفیف سا حمل رہ گیا جسے وہ لیے چلتی پھرتی رہی۔ پھر جب وہ بوجھل ہو گئی تو دونوں (مرد اور عورت) نے اللہ سے، جو ان کا رب ہے، دعا کی کہ خدایا اگر تو نے ہمیں ایک تندرست اور بے عیب بچہ عطا کیا تو ہم تیرے شکر گزار رہوں گے، مگر جب اللہ نے ان کو ایک صحیح و سالم بچہ دے دیا تو اس کی بخشی ہوئی نعمت میں

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

نَصْراً وَلاَ أَنفُسَهُمْ يَنصُرُونَ . وَإِن تَدْعُوهُمْ إِلَى الْهُدَى لاَ يَتَّبِعُوكُمْ سَوَاء عَلَيْكُمْ أَدَعَوْتُمُوهُمْ أَمْ أَنتُمْ صَامِتُونَ . إِنَّ الَّذِينَ تَدْعُونَ مِن دُونِ اللّهِ عِبَادٌ أَمْثَالُكُمْ فَادْعُوهُمْ فَلْيَسْتَجِيبُواْ لَكُمْ إِن كُنتُمْ صَادِقِينَ. (الاعراف:۱۸۹۔۱۹۴)

دوسروں کو اس کا شریک ٹھہرانے لگے۔ اللہ کی ذات بہت بلند و برتر ہے، ان مشرکانہ باتوں سے جو یہ لوگ کرتے ہیں۔ کیا یہ لوگ خدا کے ساتھ ان کو شریک ٹھہراتے ہیں جو کسی چیز کے بھی خالق نہیں ہیں، بلکہ مخلوق ہیں۔ وہ نہ تو ان کی مدد پر قادر ہیں اور نہ ہی اپنی ذات کو مدد پہنچانے کی قدرت رکھتے ہیں۔ اگر تم ان کو رہنمائی کے لیے پکارو تو وہ تمھارے ساتھ نہ چلیں۔ خواہ تم انھیں پکارو یا چپ رہو (باعتبار نتیجہ) یکساں ہے۔ تم اللہ کے سوا جن ہستیوں کو پکارتے ہو وہ تو تمھارے ہی جیسے بندے ہیں۔ پس ان کو پکار دیکھو، وہ تمھیں جواب دیں اگر تم سچے ہو۔''

[۴] غیر خدا پر اعتماد کہ وہ علی الاطلاق نفع وضرر پہنچانے کا اختیار رکھتے ہیں، اخلاص عبادت کے خلاف ہے۔ اس کے برعکس اس بات پر اعتماد رکھا جائے کہ ہر قسم کے نفع و نقصان کا سر رشتہ صرف خدا کے ہاتھ میں ہے۔ اگر وہ اپنے کسی بندے کو کوئی فائدہ پہنچانا چاہے تو سارا جہاں مل کر بھی اس کو روک نہیں سکتا اور اگر کسی کے حق میں اس کے اعمال بد کی پاداش میں نقصان کا فیصلہ کر دے تو اس سے کوئی اس کو بچا نہیں سکتا ہے۔ (سورۂ یونس:۱۷) عبادت اور توکل کا یہ ارتباط آیۂ ذیل سے بالکل واضح ہے:

فَاعْبُدْهُ وَتَوَكَّلْ عَلَيْهِ. (ہود۱۱:۱۲۳)

''اس کی بندگی کرو اور اسی پر بھروسا کرو۔''

عبادت کا وسیع مفہوم

عبادت کا لفظ جب اصطلاحاً استعمال کیا جاتا ہے تو اس سے عام طور پر بعض معروف اعمال عبادت، مثلاً پرستش، دعا اور قربانی وغیرہ مراد لیے جاتے ہیں، اخلاق اور معاملات اس میں شامل نہیں سمجھے جاتے ہیں۔ اسلام نے عبادت کے اس محدود مفہوم کو ختم کیا اور بتایا کہ بندوں کے حقوق کی ادائیگی بھی عبادت میں داخل ہے۔ جس نے خدا کا حق ادا کیا، لیکن بندوں کے حقوق، جو خدا نے اس پر عائد کیے ہیں، ادا نہ کیے تو وہ خدا کی نظر میں عابد شمار نہ ہوگا۔ قرآن مجید میں ایک سے زیادہ مقامات پر عبادت کے اس پہلو کو واضح کیا گیا ہے۔ مثلاً:

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

ایک جگہ فرمایا ہے:

وَاعْبُدُواْ اللّٰــهَ وَلاَ تُشْرِكُواْ بِـهِ شَيْئاً وَبِـالْـوَالِـدَيْـنِ إِحْسَـانـاً وَبِذِي الْقُرْبَى وَالْيَتَــامَـى وَالْـمَسَـاكِيْنِ وَالْجَـارِ ذِيْ الْـقُـرْبَـى وَالْـجَـارِ الْجُنُبِ وَالصَّاحِبِ بِـالْـجَـنبِ وَابْـنِ السَّبِيْـلِ وَمَا مَلَكَتْ أَيْـمَـانُـكُـمْ إِنَّ الـلّٰـهَ لاَ يُحِبُّ مَن كَانَ مُخْتَالاً فَخُوراً. (نساء۴:۳۶)

''اور اللہ ہی کی بندگی کرو اور کسی چیز کو بھی اس شریک نہ ٹھیراؤ۔ اور والدین، رشتہ داروں، یتیموں، مسکینوں، قرابت دار پڑوسی، اجنبی پڑوسی (یعنی جس سے کوئی آشنائی نہ ہو)، ہم نشین مسافر اور اپنے لونڈی غلاموں کے ساتھ اچھا سلوک کرو۔ اور (مال و جاہ پا کر) اترانے والوں اور گھمنڈ کرنے والوں کو اللہ پسند نہیں کرتا۔''

دوسری جگہ فرمایا ہے:

قَـالَ يَـا قَوْمِ اعْبُدُواْ اللّٰهَ مَا لَكُم مِّنْ إِلٰـهٍ غَيْـرُهُ وَلاَ تَـنـقُـصُواْ الْمِكْيَالَ وَالْمِيْزَانَ إِنِّـيَ أَرَاكُـم بِـخَيْرٍ وَإِنِّيَ أَخَافُ عَلَيْكُمْ عَـذَابَ يَـوْمٍ مُّـحِيْطٍ . وَيَـا قَـوْمِ أَوْفُواْ الْـمِـكْـيَـالَ وَالْـمِـيْـزَانَ بِـالْقِسْطِ وَلاَ تَبْـخَسُواْ النَّاسَ أَشْيَاء هُمْ وَلاَ تَعْثَوْاْ فِيْ الأَرْضِ مُفْسِدِيْنَ. (ہود۱۱:۸۴-۸۵)

''اے میری قوم کے لوگو، اللہ ہی کی بندگی کرو، اس کے سوا تمھارا کوئی معبود نہیں، اور ناپ تول میں کمی نہ کرو۔ (اس وقت) میں تمھیں اچھی حالت (یعنی فارغ البالی) میں دیکھ رہا ہوں (لیکن آگے) میں تم پر ایک گھیرنے والے دن کے عذاب کا اندیشہ رکھتا ہوں۔ اور اے میری قوم کے لوگو، ناپ اور تول کو انصاف کے ساتھ پورا کرو۔ اور لوگوں کی چیزوں میں ان کی حق تلفی نہ کرو اور زمین میں فساد پھیلانے والے بن کر نہ پھرو۔''

ماضی میں دیگر اقوام کی طرح قوم شعیب کا تصور عبادت بھی ناقص تھا۔ چنانچہ جب شعیب علیہ السلام نے انھیں مالی معاملات میں انصاف سے کام لینے کی تلقین کی، جیسا کہ اوپر کی آیت میں بیان ہوا ہے، تو انھوں نے کہا:

أَصَلاَتُكَ تَأْمُرُكَ أَن نَّتْرُكَ مَا يَعْبُدُ آبَاؤُنَا أَوْ أَن نَّـفْـعَـلَ فِيْ أَمْوَالِنَا مَا نَشَاء إِنَّكَ لَأَنتَ الْحَلِيْمُ الرَّشِيْدُ. (ہود۱۱:۸۷)

''کیا تمھاری نماز تمھیں یہ سکھاتی ہے کہ ہم ان چیزوں سے دست بردار ہو جائیں جن کی پرستش ہمارے باپ دادا کرتے آئے ہیں یا یہ کہ ہم اپنے مال میں اپنی مرضی کے مطابق تصرف نہ کریں، (کیا خوب) بس تمھی تو ایک دانش منداور راست رو ہو۔''

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

فی الحقیقت اسلام میں انسان کا ہر عمل عبادت اور باعث اجر ہے، خواہ وہ عمل بادی النظر میں بالکل حقیر ہو، بلکہ سراسر دنیا کا کام معلوم ہوتا ہو، بشرطیکہ اس عمل سے خدا کی رضا اور اس کا تقرب مطلوب ہو۔ روایات میں آتا ہے کہ حضرت سعد نے خدمت اقدس میں آ کر عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول، میں اپنی کل دولت راہ خدا میں خرچ کرنا چاہتا ہوں۔ آپ نے فرمایا: سعد تم جو کچھ راہ خدا میں صرف اس کی خوش نودی کی طلب میں خرچ کرو گے، اس کا ثواب تم کو ضرور ملے گا یہاں تک کہ جو لقمہ تم اپنی بیوی کے منہ میں اس غرض سے ڈالو گے، اس کا بھی تم کو ثواب ملے گا۔[20]

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد بھی ملاحظہ ہو:

ما اطعمت نفسك فهو صدقة، مااطعمت ولدك فهو لك صدقة، ما اطعمت زوجك فهو لك صدقة، ما اطعمت خادمك فهو لك صدقة.[21]

''تم نے خود اپنے آپ کو جو کھلایا، وہ تمھاری طرف سے صدقہ ہے، جو اپنی اولاد کو کھلایا، وہ بھی تمھاری طرف سے صدقہ ہے، جو اپنی بیوی کو کھلایا، وہ تمھاری طرف سے صدقہ ہے اور اپنے نوکر کو جو کھلایا، وہ بھی تمھاری طرف سے صدقہ ہے۔''

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

بہت سے قارئین یہ جان کر حیران ہوں گے کہ اسلام میں میاں بیوی کے جنسی تعلقات بھی عبادت میں داخل ہیں۔ ایک بار آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ سے فرمایا کہ مباشرت بھی صدقہ ہے۔ انھوں نے تعجب سے کہا: کیا شہوت کے پورا کرنے میں بھی اجر ہے؟ فرمایا، تمھارا کیا خیال ہے، اگر وہ یہ کام حرام طریقے سے کرتا تو کیا اس پر گناہ نہ ہوتا؟ صحابہ نے کہا: ضرور یہ فعل گناہ ہوگا۔ آپ نے فرمایا: تو جب وہ یہی کام حلال طریقے سے کرے گا تو اس کو یقیناً ثواب ملے گا۔ 'كذلك اذا وضعها فى الحلال كان له اجر'۔[22]

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک موقع پر ارشاد فرمایا:

ما من مسلم يغرس غرسا او يزرع زرعا فياكل منه طيراً وانسان او بهيمة الا كان له صدقة.[23]

''جس مسلمان نے بھی درخت لگایا یا کھیتی کی پھر اس درخت یا کھیتی سے چڑیا یا انسان یا جانور کھائے تو یہ ضرور اس کی طرف سے صدقہ ہوگا۔''

---

[20] ادب المفرد، امام بخاری، باب: یوجر فی کل شئی۔

[21] مسند احمد۔

[22] رواہ مسلم والترمذی، مزید دیکھیں، مسند احمد۔

[23] متفق علیہ۔

انسانی معاشرے میں مزاج اور مفادات کے مختلف ہونے کی وجہ سے بسا اوقات آپس کے تعلقات متاثر ہوتے ہیں اور دلوں میں بغض ونفرت کے جذبات پیدا ہوجاتے ہیں۔ ان بگڑے ہوئے تعلقات کو درست کرنا بھی عبادت ہے۔ ایک بار نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ سے فرمایا کہ میں تم کو نفل روزہ ونماز اور صدقہ سے بھی بڑھ کر درجہ کی چیز نہ بتاؤں۔ صحابہ نے عرض کیا: یارسول اللہ ضرور ارشاد فرمائیں۔ آپ نے کہا: وہ ہے آپس کے تعلقات کا درست کرنا۔ یعنیٰ اصلاح ذات البین[۲۴]۔

اتنا ہی نہیں، ایک دوسرے کو دیکھ کر مسکرا دینا، گونگے کو سنا دینا اور اندھے کو راہ دکھا دینا بھی اسلام میں نیکی اور صدقہ ہے۔ حضرت ابو ہریرہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آدمی کی معمولی باتیں بھی اس کے لیے صدقہ ہیں۔ مثلاً انصاف کی بات کہنا، آدمی کو اس کے جانور پر سوار کرا دینا یا اس کے سامان کو اس پر لاد دینا، بھلی بات کہنا، نماز کے لیے پیدل چل کر جانا اور راستے سے تکلیف دہ چیز کا ہٹا دینا وغیرہ[۲۵]۔

خدمت خلق

اسلام کے تصور عبادت میں، جیسا کہ ابھی اوپر بیان ہوا، خدمت خلق کا شمار عبادت میں ہے اور اس کا درجہ بہت بلند ہے۔ ایک حدیث میں کل مخلوق کو خدا کا کنبہ کہا گیا ہے اور وہی شخص اس کی نگاہ میں زیادہ محبوب ہے جو اس کے کنبہ کے لیے زیادہ خیر خواہ اور نفع بخش ہو۔

حدیث کے الفاظ ہیں:

الخلق کلهم عیال اللّٰه و احبهم الیه انفعهم لعیاله[۲۶]۔

ایک دوسری حدیث میں ہے کہ مسکین اور بیوہ کے لیے دوڑ دھوپ کرنے والے کا مرتبہ خدا کی راہ میں جہاد کرنے والے، روزہ دار اور رات میں نماز پڑھنے والے کے برابر ہے۔ 'الساعی علی الارملة و المسکین کالمجاهد فی سبیل اللّٰه و کالذی یصوم النهار و یقوم الیل[۲۷]'۔

ایک بار کا واقعہ ہے کہ رسول اللہ کی خدمت میں کچھ لوگ انتہائی پریشاں حالی میں صرف کمبل اوڑھے ہوئے حاضر

۲۴۔ سنن ابوداؤد، کتاب الادب، باب: اصلاح ذات البین۔

۲۵۔ رواہ البخاری و مسلم۔

۲۶۔ رواہ ابوالعلی۔

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

ہوئے۔ آپ کی نظر جیسے ہی ان کے خستہ حال چہرے پر پڑی، اداس ہوگئے۔ گھر میں تشریف لے گئے، کچھ دینے کو نہ ملا تو مایوسی کے عالم میں باہر آ گئے۔ بلال سے کہا کہ تمام مسلمانوں کو جمع کرو۔ وہ جمع ہوئے اور سب نے مل کر کافی سرمایہ اکٹھا کیا اور رسول اللہ کے حوالہ کر دیا۔ یہ دیکھ کر آپ نہایت خوش ہوئے۔ واقعے کے راوی حضرت جابر بن عبداللہ کے الفاظ ہیں: فرایت وجه رسول اللّٰه کانه مذهبة ''پھر میں نے دیکھا کہ رسول اللہ کا چہرہ سونے کی طرح دمک رہا ہے۔''[28]

اس سلسلے میں ایک حدیث قدسی بھی قابل ذکر ہے۔ اللہ تعالیٰ روز آخرت فرمائے گا:

''اے ابن آدم، میں بیمار ہوگیا تھا، مگر تو نے میری عیادت نہ کی۔ بندہ عرض کرے گا: اے رب میں بھلا تیری عیادت کیونکر کرتا، تو تو پروردگار عالم ہے۔ خدا فرمائے گا: کیا تجھے معلوم نہیں کہ میرا فلاں بندہ بیمار ہوگیا تھا اور تو نے اس کی عیادت نہیں کی، اگر تو اس کی خبر گیری کو جاتا تو اس کو میرے پاس پاتا یا مجھے اس کے پاس پاتا۔ اے ابن آدم، میں نے تجھ سے کھانا مانگا تھا، مگر تو نے نہیں کھلایا۔ بندہ عرض کرے گا: اے رب، میں تجھ کو کیونکر کھلاتا تو تو خود سارے جہاں کا پروردگار ہے۔ خدا فرمائے گا: کیا تجھے معلوم نہیں کہ میرے فلاں (بھوکے) بندے نے تجھ سے کھانا مانگا، مگر تو نے نہیں کھلایا، اگر تو اس کو کھلاتا تو اسے میرے پاس پاتا۔ اے ابن آدم، میں نے تجھ سے پانی مانگا تھا، مگر تو نے نہیں پلایا۔ بندہ عرض کرے گا: اے رب، میں تجھے کیونکر پانی پلاتا کہ تو رب العلمین ہے۔ خدا فرمائے گا: میرے فلاں (پیاسے) بندے نے تجھ سے پانی مانگا، مگر تو نے نہیں پلایا۔ اگر تو اس کو پانی پلاتا تو اسے میرے پاس پاتا۔''[29]

انسان تو بڑی چیز ہے، اسلام میں جانوروں کے ساتھ حسن سلوک کو بھی نیکی کا کام بتایا گیا ہے۔ ایک مجلس میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اصحاب کو ایک آدمی کا واقعہ سنایا کہ اس نے ایک کتے کو دیکھا کہ وہ پیاس کی شدت سے زبان نکالے ہوئے مٹی چاٹ رہا ہے۔ 'یلهث یاکل الثری من شدة العطش'۔ چنانچہ یہ دیکھ کر اس کے دل میں رحم آیا اور اس نے پسند نہ کیا کہ وہ اس کتے کو، جب کہ وہ شدید پیاس میں مبتلا ہے، یونہی چھوڑ دے۔ چنانچہ وہ اس کو لے کر ایک کنویں کے پاس پہنچا اور اپنا موزہ اتار کر اس میں پانی بھرا اور اس کتے کو پلایا۔ اللہ نے اس کے اس عمل کو پسند کیا اور اس کو بخش دیا۔ جب صحابہ نے یہ قصہ سنا تو تعجب سے کہا: اے اللہ کے رسول، کیا جانوروں کے

---

۲۷ بخاری، کتاب الاداب۔

۲۸ مسلم۔

۲۹ مسلم، رواہ ابو ہریرہ، مزید دیکھیں، ادب المفرد (امام بخاری) باب: عیادة المرضیٰ۔

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

ساتھ حسن سلوک میں بھی اجر ہے۔ ائن لنافی البھا ئم لاجرا یا رسول اللّٰہ ‘۔فرمایا: ہر ذی حیات کے ساتھ حسن سلوک میں اجر ہے[30]۔

اسلام نے مخلوق خدا کے ساتھ حسن سلوک کو محض نیکی قرار نہیں دیا، بلکہ اس کو اسلامی عبادات میں ایک اہم عبادت کا درجہ دیا۔ اسلام میں نماز کے بعد جو دوسری بڑی عبادت ہے، وہ زکوٰۃ ہے جو غربا و مساکین کی خبر گیری کا دوسرا نام ہے۔ قرآن مجید میں اکثر مقامات پر نماز کا ذکر زکوٰۃ کے ساتھ آیا ہے۔’اقیموا الصلوٰۃ و اتوا الزکوٰۃ‘۔اس التزام سے یہ ظاہر کرنا مقصود ہے کہ نماز اور زکوٰۃ لازم و ملزوم ہیں۔

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ اسلام میں ایک بندۂ مومن کا ہر وہ کام، خواہ بڑا ہو یا چھوٹا، خواہ آخرت سے تعلق رکھتا ہو یا دنیا سے، عبادت ہے جو خدا کی رضا اور خوش نودی کے لیے کیا جائے۔ دوسرے لفظوں میں حقوق اللہ اور حقوق العباد، دونوں کی ادائیگی عبادت میں داخل ہے۔

راہبانہ تصور عبادت کی نفی

تاریخ انسانی کے ہر دور میں ہر مذہب کے غالی اور متقشف لوگوں کا یہ خیال رہا ہے کہ آدمی خدا کی عبادت میں جس قدر ریاضات شاقہ اٹھاتا ہے، اسی قدر اس کو خدا کی رضا مندی اور اس کا قرب و اتصال حاصل ہوتا ہے۔ اسی کے ساتھ ان کا یہ بھی خیال رہا ہے کہ خدا کی خالص اور سچی عبادت کے لیے ناگزیر ہے کہ آدمی انسانی معاشرہ اور اس کے علائق سے قطع تعلق کر کے جنگل یا پہاڑ کے کسی گم نام گوشے میں معتکف ہو جائے، اور اگر کسی سبب سے یہ ممکن نہ ہو تو کم از کم انسانی آبادی سے دور کوئی خانۂ عزلت تلاش کر لے، اور اگر یہ بھی ممکن نہ ہو تو آبادی کے اندر ہی کوئی خاموش گوشۂ عافیت ڈھونڈ لے اور وہاں ہنگامہ ہائے دنیا سے بے خبر ہو کر خدا کی عبادت و ریاضت میں اپنا وقت گزارے۔ گویا ان کے نزدیک خدا کے حق کی ادائیگی کے لیے حقوق العباد سے منہ موڑنا اور امکانی حد تک خود اپنے نفس و جسم کے حقوق کو پامال کرنا ناگزیر ہے۔ اس راہبانہ تصور عبادت کی بہت سی مثالیں انسان کی قدیم مذہبی تاریخ میں موجود ہیں، اس سے پہلے ہم عیسائی رہبان اور ہندو جوگیوں کے احوال بیان کر چکے ہیں جن سے راہبانہ تصور عبادت کا مفہوم اور اس کے اطراف و جوانب پوری طرح واضح ہو گئے ہیں۔

جہاں تک اسلامی تاریخ کا تعلق ہے، اس کے تقریباً ہر عہد میں مسلمانوں کے اندر ایسے مذہبی لوگ موجود رہے

---

۳۰ رواہ البخاری۔

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

ہیں جو راہبانہ تصور عبادت سے ایک حد تک مانوس تھے، اگرچہ وہ عیسائی راہبوں کی طرح مکمل طور پر تجرد کے قائل نہ تھے اور نہ تربیت نفس کے معاملے میں نفس کشی اور تعذیب جسم کی حد تک پہنچے ہوئے تھے[۳۱]۔ پھر بھی ان کا عام طرز زندگی راہبانہ تھا، اور وہ عام طور پر مخلوق خدا سے الگ تھلگ ہو کر زندگی گزارتے تھے اور ازدواجی تعلق بھی برائے نام ہی رکھتے تھے۔ یہ غالی صوفیوں کا طبقہ تھا۔

آج بھی مسلمانوں میں ایک ایسا مذہبی طبقہ موجود ہے جس کے تصور عبادت میں راہبانہ تصور عبادت کی جھلکیاں نظر آتی ہیں۔ اس طبقہ سے تعلق رکھنے والے افراد علانیہ ترک دنیا کی تعلیم تو نہیں دیتے، لیکن ان کے نزدیک روحانی ترقی اور آخرت میں کامیابی کے لیے ضروری ہے کہ عابد و زاہد مسلمان اسباب دنیا کی نفی کرے یا ان سے برائے نام تعلق رکھے اور اپنے اوقات کا بیش تر حصہ کسی گوشۂ مسجد میں یا خانۂ خلوت میں بیٹھ کر ذکر الٰہی، مراقبہ اور مجاہدہ میں گزارے۔ ان کے نزدیک یہی معراج عبادت ہے۔ یہ خیال بھی راہبانہ تصور عبادت ہی کی ایک قسم ہے۔

راہبانہ تصور عبادت کو صحیح تسلیم کر لینے کے معنی یہ ہیں کہ یہ کارخانۂ خلق و ایجاد ایک کار عبث ہے اور اس میں انسانی وجود کی تخلیق بھی بے مقصد ہے۔ اور یہ تصور حقیقت واقعہ کے خلاف ہوگا۔ اسلام نے بتایا کہ یہ کائنات کوئی بازیچۂ اطفال نہیں۔ 'وما خلقنا السمآء والارض وما بینھما لعبین' (الانبیاء ۲۱: ۱۶)، بلکہ اس کی تخلیق کے پیچھے ایک عظیم مقصد ہے اور وہ مقصد حق و باطل کی آویزش اور اس کے نتیجے میں حق کا غلبہ اور باطل کا استیصال ہے۔ 'بل نقذف بالحق علی الباطل فیدمغہ فاذا ھو زاھق'۔ (الانبیاء ۲۱: ۱۸)

اس کے علاوہ اس عالم آب و گل میں انسانی وجود ایک مرکزی مقام رکھتا ہے۔ انسان کی عظمت و فضیلت کا اس سے بڑا ثبوت اور کیا ہوگا کہ خدا نے اس کو زمین میں خلیفہ بنایا۔ 'ھو الذی جعلکم خلائف فی الارض الخ' (فاطر ۳۵: ۳۹) اور اس جہان رنگ و بو کی تمام چھوٹی اور بڑی اشیا کو اس کے دست تصرف میں دے دیا۔ 'وسخرلکم ما فی السمٰوٰت وما فی الارض جمیعا منہ' (جاثیہ ۴۵: ۱۳)۔ اس مقام و مرتبہ کے حامل انسان کا مقصد تخلیق یہ ہرگز نہیں ہو سکتا کہ وہ اس دنیا سے اپنا ذہنی و عملی رشتہ منقطع کر کے کسی کنج عزلت میں جا بیٹھے اور وہاں عبادت و ریاضت میں اپنی پوری زندگی گزار دے۔

جب معلوم ہو گیا کہ انسان اس زمین میں خلیفہ بنایا گیا ہے تو اس کا مقصد تخلیق خود بخود واضح اور متعین ہو جاتا ہے۔ اور وہ مقصد یہ ہے کہ وہ خدا کی زمین میں اپنی مرضی اور خوشی سے اس کے حکم و ہدایت کے مطابق زندگی گزارے،

۳۱؎ شاذ میں اس کی مثالیں بھی موجود ہیں۔

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

انفرادی بھی اور اجتماعی بھی۔ یہی وہ عبادت ہے جس کے لیے انسان کی تخلیق عمل میں آئی ہے۔ فرمایا گیا ہے:

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ. (الذاریات ۵۱:۵۶)

''میں نے جنوں اور انسانوں کو صرف عبادت کے لیے پیدا کیا ہے۔''

حقیقت یہ ہے کہ اسلام راہبانہ تصور عبادت کا مخالف ہی نہیں، بلکہ اس کے وجود تک کا منکر ہے: 'لا رهبانية في الاسلام'[۳۲]۔ اگر کسی شخص کو لفظ رہبانیت سے کوئی خاص انس و شیفتگی ہو تو وہ جان لے کہ اسلام کے لغت میں اس کا مفہوم ترک دنیا نہیں، بلکہ جہاد فی سبیل اللہ ہے۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: 'رهبانية هذه الامة الجهاد في الاسلام'[۳۳]، ''اس امت کی رہبانیت اللہ کی راہ میں جہاد کرنا ہے۔''

یہی وجہ ہے کہ اسلام نے سختی کے ساتھ رہبانیت کے جملہ اعمال و اشکال، مثلاً ترک دنیا یعنی قطع علائق، نفس کشی یعنی ترک لذائذ اور عبادت (پرستش) میں ریاضات شاقہ وغیرہ کی نفی کی ہے جیسا کہ اگلی سطروں سے بالکل واضح ہو جائے گا۔

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

ترک دنیا

قرآن کے بیان کے مطابق، جیسا کہ اوپر ذکر ہوا انسان کا مقصد تخلیق خدا کی عبادت ہے، یعنی اس کے احکام کے مطابق اس زمین پر زندگی گزارنا۔ اس تصور عبادت کے مطابق ترک دنیا ممکن نہیں، بلکہ اس میں ضروری حد تک شمولیت ناگزیر ہے۔ فرمایا گیا ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا نُودِيَ لِلصَّلَاةِ مِن يَوْمِ الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا إِلَى ذِكْرِ اللَّهِ وَذَرُوا الْبَيْعَ ذَلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ إِن كُنتُمْ تَعْلَمُونَ. فَإِذَا قُضِيَتِ الصَّلَاةُ فَانتَشِرُوا فِي الْأَرْضِ وَابْتَغُوا مِن فَضْلِ اللَّهِ وَاذْكُرُوا اللَّهَ كَثِيرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ.

(الجمعہ ۶۲:۹۔۱۰)

''اے ایمان والو، جب جمعہ کے دن کی نماز کے لیے پکارا جائے تو اللہ کے ذکر کی طرف دوڑو اور خرید و فروخت چھوڑ دو۔ یہ تمھارے حق میں زیادہ بہتر ہے اگر تم جانو۔ پھر جب نماز ختم ہو جائے تو اللہ کے فضل کی طلب میں زمین میں پھیل جاؤ۔ اور اللہ کو بکثرت یاد کرو تا کہ تمھیں کامیابی حاصل ہو۔''

۳۲؎ مسند ابن حنبل، ج ۵، ص ۲۶۶۔

۳۳؎ ایضاً۔

یہ آیت بتاتی ہے کہ ایک بندۂ مومن اس دنیا میں کس طرح زندگی گزارے۔ وہ خدا کی عبادت بھی کرے اور فضل خدا (روزی) کی تلاش سے بھی غافل نہ ہو، بلکہ اس میں سرگرمی دکھائے۔ البتہ اس بات کا دھیان رکھے کہ تلاش رزق میں اس سے ایسا کوئی فعل سرزد نہ ہو جو خدا کے حکم و ہدایت کے خلاف ہو۔ اس آیت میں صرف یہی نہیں کہا گیا ہے کہ وہ روزی کمانے میں جدوجہد کرے، بلکہ اس عمل کو فضل خدا کی طلب سے تعبیر کیا گیا ہے۔ یہ لطیف پیرایۂ بیان خود صراحت کرتا ہے کہ روزی کمانا خدا کی نظر میں ایک پسندیدہ فعل ہے اور وہ اپنے بندوں سے اس بات کا خواہاں ہے کہ وہ روزی کمانے کے لیے زمین میں تگ ودو کریں۔ 'فانتشروا فی الارض وابتغوا من فضل اللّٰہ' اس کو محض دنیا کا کام یا خدا کی عبادت میں کوئی رکاوٹ سمجھ کر اس سے کنارہ کشی اختیار نہ کریں۔ قرآن مجید میں ایک جگہ کسب معاش کا ذکر جہاد فی سبیل اللہ کے ساتھ آیا ہے جو اس کی فضیلت کی دلیل ہے۔ فرمایا گیا ہے:

عَلِمَ أَن سَيَكُونُ مِنكُم مَّرْضَى وَآخَرُونَ يَضْرِبُونَ فِي الْأَرْضِ يَبْتَغُونَ مِن فَضْلِ اللَّهِ وَآخَرُونَ يُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَاقْرَؤُوا مَا تَيَسَّرَ مِنْهُ. (المزمل ۷۳: ۲۰)

''اس کے علم میں ہے کہ تم میں مریض ہوں گے اور ایسے لوگ بھی جو اللہ کے فضل کی تلاش میں سفر کریں گے اور کچھ دوسرے لوگ بھی ہوں گے جو اللہ کی راہ میں جہاد کا ارادہ رکھتے ہوں گے تو جتنا آسانی کے ساتھ ہو سکے اتنا قرآن پڑھو۔''

اس آیت کی بہترین تفسیر حضرت عمر فاروق کا یہ قول ہے کہ ''خدا کی راہ میں لڑتے ہوئے جان دینے کی خواہش کے بعد جس دوسری چیز کی میں تمنا رکھتا ہوں وہ یہ کہ حصول رزق اور کشادگی کی تلاش میں میری موت واقع ہو۔''[۳۴]

حقیقت یہ ہے کہ ایک آدمی کے ایمان وعبادت کا امتحان کاروبار دنیا ہی میں ہوتا ہے جہاں ہر قدم پر شیطانی وساوس اور نفس کی فتنہ انگیزیوں سے واسطہ پڑتا ہے۔ مشہور تابعی ابراہیم نخعی سے کسی نے پوچھا کہ آپ ایک عبادت گزار صوفی اور ایک امانت دار تاجر میں سے کس کو ترجیح دیں گے۔ آپ نے فرمایا کہ امانت دار تاجر میرے نزدیک افضل ہے۔ اس لیے شیطان اسے بہرصورت ورغلاتا ہے، کبھی ناپ تول اور کبھی لین دین میں اسے الجھانے اور غلط راہ میں لے جانے کی کوشش کرتا ہے، لیکن وہ اسے برابر شکست دیتا رہتا ہے۔

ترک دنیا کا مطلب بندگان خدا کے حقوق کی ادائیگی سے فرار ہے اور یہ اسلام کی نظر میں عبادت نہیں، فعل گناہ ہے۔ اسلام میں جو عبادت مطلوب ہے وہ خدا کے حق کے ساتھ بندوں کے حقوق کو، جس میں نفس کا جائز حق بھی

۳۴؎ سنن سعید بن منصور۔

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

شامل ہے، احکام شریعت کے مطابق ادا کرنا ہے۔ایک غزوہ میں کسی صحابی نے ایک ایسا غار دیکھا جونہایت عمدہ جگہ پر واقع تھا۔قریب ہی پانی کا چشمہ رواں تھا اور قرب و جوار میں خوش نما نباتات اگی ہوئی تھیں۔صحابی مذکور کو یہ جگہ عبادت اور گوشہ نشینی کے لیے نہایت عمدہ معلوم ہوئی۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آ کر عرض کیا یا رسول اللہ، مجھ کو ایک غار ملا ہے جونہایت پسندیدہ ہے، وہاں ضرورت کی سب چیزیں موجود ہیں، اجازت دیں کہ میں ترک دنیا کر کے وہاں جا بیٹھوں اور خدا کی عبادت کروں۔آپ نے فرمایا: یہودیت اور عیسائیت لے کر دنیا میں نہیں آیا ہوں۔ میں جو ابراہیمی مذہب لایا ہوں وہ نہایت آسان، سہل اور بالکل واضح ہے[۳۵]۔''

نفس کشی

ترک دنیا کی طرح اسلام میں نفس کشی کی بھی اجازت نہیں ہے۔ جائز حدود میں لذائذ دنیا سے متمتع ہونا خلاف عبادت تو کجا عین منشاے الٰہی ہے۔فرمایا گیا ہے:

قُلُ مَنُ حَرَّمَ زِیُنَةَ اللّٰهِ الَّتِیٓ أَخُرَجَ لِعِبَادِهِ وَالُطَّیِّبَاتِ مِنَ الرِّزُقِ. (الاعراف ۷:۳۲)

''پوچھو، کس نے حرام ٹھیرایا ہے اللہ کی اس زینت کو جسے اس نے اپنے بندوں کے لیے پیدا کیا، اور رزق کی پاکیزہ چیزوں کو۔''

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

دور رسالت میں جب بعض صحابہ نے جوش عبادت میں نفس کشی کی راہ میں چلنا چاہا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس راہبانہ رجحان کی سختی کے ساتھ نفی فرمائی۔ایک صحابی قدامہ بن مظعون اپنے ایک ساتھی کے ساتھ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا: ''یا رسول اللہ، ہم میں سے ایک نے عمر بھر مجرد رہنے اور دوسرے نے گوشت نہ کھانے کا ارادہ کر لیا ہے۔آپ نے فرمایا: میں تو یہ دونوں باتیں کرتا ہوں۔ یہ سن کر دونوں صحابی اپنے خیال سے تائب ہو گئے[۳۶]۔

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص نے شادی کی اور وہ ایک صالح نوجوان تھے۔نماز، روزہ، تلاوت قرآن سے غیر معمولی شغف رکھتے تھے۔ان کے والد عمرو ان کے گھر گئے تاکہ ان کی بیوی سے ان کا حال معلوم کریں کہ وہ کس طرح اس کے ساتھ رہتے ہیں۔ بیوی نے کہا: وہ اچھے آدمی ہیں، ہم نے ایک ساتھ ابھی تک بستر میں رات نہیں گزاری ہے۔ یہ سن کر عمرو نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے شکایت کی۔عبداللہ بن عمرو خود روایت کرتے ہیں کہ

۳۵؎ مسند ابن حنبل، ج ۵، ص ۲۶۶۔

۳۶؎ بخاری، کتاب الصوم۔

جب میں خدمت اقدس میں پہنچا تو آپ نے کہا:

''مجھے معلوم ہوا ہے کہ تم دن میں روزہ رکھتے ہو اور ساری رات تلاوت کرتے ہو۔ میں نے کہا: ہاں، یہ بات سچ ہے یارسول اللہ، لیکن اس سے بھلائی کے علاوہ اور میرا کوئی مقصود نہیں ہے۔ آپ نے فرمایا: تم پر تمھاری بیوی کا بھی حق ہے، تمھارے مہمان کا بھی حق ہے اور تمھارے جسم کا بھی حق ہے۔ آپ نے مزید فرمایا کہ داؤد نبی اللہ کی طرح روزے رکھو کہ وہ بڑے عبادت گزار تھے۔ میں نے کہا، یارسول اللہ، داؤد کا روزہ کیا ہے؟ فرمایا، وہ ایک دن ناغہ دے کر روزہ رکھتے تھے۔ مزید فرمایا کہ ایک مہینے میں قرآن ختم کیا کرو۔ میں نے کہا: میں اس سے زیادہ کی طاقت رکھتا ہوں۔ فرمایا: بیس دن میں ختم کرلو۔ میں نے کہا: یارسول اللہ میں اس سے زیادہ کی طاقت رکھتا ہوں۔ فرمایا تو دس دن میں۔ میں نے کہا، یارسول اللہ میں اس سے زیادہ کی طاقت رکھتا ہوں۔ فرمایا: اچھا تو سات دن میں ختم کیا کرو اور اس میں اضافہ نہ کرو۔ تم پر تمھاری بیوی کا بھی حق ہے، تمھارے مہمان کا بھی حق ہے اور تمھارے جسم کا بھی حق ہے[۳۷]۔''

حضرت عثمان بن مظعون ایک عابدوزاہد صحابی تھے اور نہایت متقشفانہ زندگی بسر کرتے تھے۔ آنحضور کو معلوم ہوا کہ وہ شب وروز ذکروعبادت الٰہی میں مشغول رہتے ہیں اور اپنی بیوی سے کوئی تعلق نہیں رکھتے۔ دن کو روزہ رکھتے ہیں اور شب میں بہت کم سوتے ہیں۔ آپ نے ان کو بلا کر پوچھا: عثمان، کیا تم میرے طریقے سے ہٹ گئے ہو؟ انھوں نے عرض کیا: خدا کی قسم میں ہرگز آپ کے طریقے سے نہیں ہٹا ہوں، میں تو آپ ہی کے طریقے پر چلنا چاہتا ہوں۔ آپ نے فرمایا: عثمان خدا سے ڈرو کہ تمھارے اہل وعیال کا بھی تم پر حق ہے، تمھارے مہمان کا بھی تم پر حق ہے، تمھاری جان کا بھی تم پر حق ہے۔ تم روزے بھی رکھو اور افطار بھی کرو، نماز بھی پڑھو اور سوؤ بھی[۳۸]۔

قبیلہ باہلہ کے ایک شخص نے اسلام قبول کیا تو ان صحابی نے دن کا کھانا چھوڑ دیا اور مسلسل روزے رکھنے لگے۔ ایک سال کے بعد جب وہ مدینہ آئے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہنچے تو آپ ان کو پہچان نہ سکے کیونکہ مسلسل روزوں کی وجہ سے ان کی صورت بدل گئی تھی۔ انھوں نے اپنا نام بتایا تو فرمایا: تم تو خوب رو تھے، یہ صورت کیسے بدل گئی؟ عرض کیا، یارسول اللہ، جب سے آپ سے مل کر گیا ہوں متصل روزے رکھتا ہوں۔ فرمایا: تم نے اپنی

۳۷؎ بخاری، کتاب الصوم، باب: حق الجسم فی الصوم۔

۳۸؎ ابوداؤد، کتاب الصلوٰۃ باب: یومر بہ من القصد فی الصلوٰۃ۔

۳۹؎ ابوداؤد، کتاب الصوم، باب فی صوم شہر الحرام۔

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

جان کو کیوں عذاب میں ڈالا، رمضان کے علاوہ ہر مہینے میں ایک روزہ کافی ہے۔ انھوں نے اس سے زیادہ کی طاقت ظاہر کی تو آپ نے مہینے میں دو روزوں کی اجازت دی۔ انھوں نے اس سے زیادہ کی اجازت چاہی تو مہینے میں تین روزے کر دیے۔ انھوں نے اس سے بھی زیادہ کی درخواست کی تو آپ نے ماہ حرام کے روزوں کی اجازت دی۔[۳۹]

ایک بار صحابہ کی ایک جماعت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی عبادت کا حال معلوم کرنے ازواج مطہرات کے گھر پہنچی۔ ان کا گمان تھا کہ آپ ہر وقت سربسجود رہتے ہوں گے، رات بھر نمازیں پڑھتے ہوں گے، تمام دن روزے رکھتے ہوں گے، رات میں کم سوتے ہوں گے، جسم کو کم ہی آرام دیتے ہوں گے، عورتوں سے کوئی تعلق نہ رکھتے ہوں گے۔ لیکن جب ازواج مطہرات نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی عبادت کے بارے میں بتایا تو وہ ان کے ارادوں سے کم معلوم ہوئی۔ انھوں نے کہا کہ ہم کو آنحضور سے کیا نسبت، اللہ نے آپ کی مغفرت فرمادی ہے' وقد غفر اللّٰہ ما تقدم من ذنبہ وما تاخر' ان میں سے ایک نے کہا کہ میں ساری رات نماز پڑھوں گا، دوسرے نے کہا: میں عمر بھر روزے رکھوں گا، اور کبھی ناغہ نہ کروں گا، تیسرے نے کہا: میں عورتوں سے الگ رہوں گا اور کبھی شادی نہ کروں گا۔ رسول اللہ نے جب ان کی باتیں سنیں تو ان کے پاس آئے اور فرمایا:

انتم القوم الذین قلتم کذا؟ واللّٰہ انی لاخشاکم اللّٰہ واتقاکم لہ لکنی اصوم وافطر، واصلی وارقد، واتزوج النساء فمن رغب عن سنتی فلیس منی۔[۴۰]

"کیا وہ تمھی لوگ ہو جنھوں نے اس قسم کی باتیں کی ہیں۔ خدا کی قسم میں تم سے زیادہ خدا سے ڈرتا ہوں اور اس کی نافرمانی سے احتراز کرتا ہوں، تاہم میں روزہ بھی رکھتا ہوں اور ناغہ بھی کرتا ہوں، راتوں کو نماز بھی پڑھتا ہوں اور سوتا بھی ہوں اور عورتوں سے نکاح بھی کرتا ہوں، جو میرے طریقے سے ہٹ گیا، اس سے میرا کوئی تعلق نہیں۔"

رہبانیت کے خلاف نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ان موثر تعلیمات اور آپ کے اسوۂ حسنہ کے نتیجے میں اسلام کے ابتدائی دور میں شجر رہبانیت کو برگ و بار لانے کا موقع نہیں مل سکا۔ جب بھی کسی کے اندر اس قسم کا میلان پیدا ہوتو خود صحابہ نے اس کو سختی سے روکا۔ حضرت ابو درداایک مشہور عابد شب زندہ دار صحابی گزرے ہیں۔ رسول اللہ نے ان کے اور حضرت سلمان فارسی کے درمیان مواخات کا رشتہ قائم کیا تھا۔ ایک بار سلمان ان کی ملاقات کو گئے تو دیکھا کہ ان کی بیوی معمولی کپڑے پہنے ہوئے تھیں۔ پوچھا کیا معاملہ ہے؟ انھوں نے کہا، تمھارے بھائی ابو دردا کو دنیا سے

۴۰؎ صحیح بخاری، کتاب النکاح۔

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

کوئی رغبت نہیں ہے۔ جب ابودردا آئے تو سلمان کے لیے کھانا لگایا گیا۔ انھوں نے سلمان سے کہا، تم کھاؤ میں روزے سے ہوں۔ انھوں نے کہا، میں اس وقت تک نہیں کھاؤں گا جب تک تم بھی شریک نہ ہو گے۔ چنانچہ وہ شریک طعام ہوئے۔ جب رات ہوئی تو ابودردا نماز کے لیے کھڑے ہوئے۔ سلمان نے کہا، ابھی سو رہو، وہ مان گئے۔ وہ دوبارہ اٹھے تو کہا: سو جاؤ۔ جب رات کا آخری پہر آ گیا تو سلمان نے ان کو بیدار کیا اور کہا کہ اب نماز پڑھو۔ چنانچہ دونوں نے نماز ادا کی۔ اس کے بعد سلمان نے کہا: اے ابودردا، تمھارے رب کا بھی تم پر حق ہے، تمھاری جان کا بھی تم پر حق ہے اور تمھاری بیوی کا بھی تم پر حق ہے۔ اس لیے ہر حق دار کا حق اس کو ادا کرو۔ دوسرے دن ابودردا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئے اور ساری باتیں بیان کیں۔ آپ نے فرمایا، سلمان نے سچ کہا۔[۴۱]

[باقی]

---

[۴۱] بخاری، کتاب الادب۔

محمد وسیم اختر مفتی

خارجہ بن زید

تاریخ اسلامی میں خارجہ بن زید نام کی دو شخصیتوں کا ذکر ملتا ہے۔ اتفاق ہے کہ ایک ہی نام اور ایک ہی ولدیت والی ان دو شخصیتوں میں سے ایک کا تعلق دور صحابہ سے اور دوسری کا دور تابعین سے تھا۔

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

خارجہ بن زید رضی اللہ عنہ

خارجہ بن زید کا شمار اکابر انصاری صحابہ میں ہوتا ہے۔ ان کا تعلق بنوخزرج سے تھا۔ بنواغران کا لقب تھا۔ وہ بیعت عقبہ میں شامل تھے۔ ہجرت کے بعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مہاجرین اور انصار کے درمیان مواخات قائم فرمائی تو حضرت ابوبکر خارجہ کے بھائی بنے اور انھی کے ہاں مقیم رہے۔ خارجہ نے بدر اور احد کی جنگوں میں حصہ لیا اور احد کے دن شہید ہوئے۔ انھیں تیراندازوں نے آن لیا، ان کو بارہ تیرہ کاری زخم لگے۔ شہادت کے بعد صفوان بن امیہ نے ان کو دیکھ کر پہچان لیا اور پکارا: ''یہ ہے جس نے بدر کے دن ابوعلی کو للکارا تھا۔'' صفوان کا باپ امیہ بن خلف قریش کا بڑا سردار تھا، وہ اسلام اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت میں پیش پیش تھا۔ اس کی کنیت اپنے دوسرے بیٹے علی کے نام پر ابوعلی تھی۔ علی بن امیہ بھی اپنے باپ کے ساتھ جنگ بدر میں مارا گیا تھا۔ پھر صفوان خارجہ کے لاشے پر لپکا اور مزید وار کر کے اس کا مثلہ کر دیا اور بولا: ''میں نے محمد کے بہترین صحابہ کو قتل کر کے اپنے دل کی پیاس بجھائی ہے، میں نے ابن قوقل، اوس بن ارقم، ابن ابوزہیر اور خارجہ بن زید کو قتل کیا۔'' ابن ہشام کہتے ہیں: ''امیہ بن خلف کو معاذ بن عفرا، خارجہ بن زید اور خبیب بن اضاف نے مل کر قتل کیا۔''

خارجہ اوران کے چچازاد بھائی سعد بن ربیع کو ایک ہی قبر میں دفن کیا گیا۔احد کے شہدا اسی طرح دو دو، تین تین کر کے اکٹھے دفنائے گئے تھے۔خارجہ کی بیٹی حبیبہ کی شادی حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے ہوئی تھی۔ جب حضرت ابوبکر کی وفات کا وقت قریب آیا توانھوں نے اپنے ہاں بیٹی کی پیدایش کی پیشین گوئی کی۔ چنانچہ ان کی بیٹی ام کلثوم کی ولادت بعد میں ہوئی۔

خارجہ بن زید رحمۃ اللہ علیہ

خارجہ بن زید انصار کے قبیلے بنونجار سے تعلق رکھتے تھے۔اس لیے نجاری بھی کہلاتے تھے۔ان کی کنیت ابوزید تھی۔والد معروف صحابی زید بن ثابت تھے جن کے بارے میں پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''ان (صحابہ) میں وراثت اوراس کے حصوں کا سب سے زیادہ علم زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کے پاس ہے۔''
(ترمذی، مسند احمد)

زید بن ثابت کہتے ہیں:

''مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم ارشاد کیا تو میں نے یہودیوں کی زبان (سریانی) سیکھی۔ پندرہ دن نہ گزرے تھے کہ میں نے اس میں مہارت حاصل کر لی۔جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم یہود سے خط کتابت فرماتے تو میں آپ کا خط تحریر کرتا، جب آپ کو (ان) کا خط آتا تو میں پڑھ کر سناتا۔'' (ابوداؤد، رقم ۳۶۴۵)۔

گویا خارجہ امام ابن امام تھے۔ان کے دادا کا نام ضحاک اور والدہ کا نام جمیلہ رضی اللہ عنہا بنت سعد تھا۔وہ اپنی کنیت ام سعد سے مشہور ہیں۔ان کے نانا سعد رضی اللہ عنہ بن ربیع پہلی اور دوسری بیعت عقبہ میں شامل تھے۔ انھیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نقباے مدینہ میں شامل فرمایا تھا۔اسمٰعیل بن زید، سعد بن زید، سلیمان بن زید اور یحییٰ بن زید ان کے بھائی تھے۔ان کا شمار مدینہ کے مشہور فقہاے سبعہ میں ہوتا تھا۔ یہ ساتوں فقہا مدینہ میں مقیم تھے، یہ ہم عصر تھے اور انھی کے ذریعے سے فتوے اور فقہ کا علم پھیلا۔

کچھ لوگوں نے عبیداللہ بن عبداللہ بن عتبہ اور ابوبکر بن عبدالرحمان کے بجائے قبیصہ بن ذؤیب اور عبدالملک بن مروان بن حکم کو فقہاے سبعہ میں شمار کیا ہے۔

خارجہ بن زید ایک جلیل القدر تابعی تھے۔انھوں نے حضرت عثمان کا زمانہ پایا، جب ان کی شہادت ہوئی تو یہ جوان تھے۔انھوں نے اپنے والد زید بن ثابت سے حدیث سیکھی، ان کے علاوہ اپنے چچا یزید بن ثابت، اسامہ بن زید، سہل بن سعد ساعدی، عبدالرحمان بن ابوعمرہ، اپنی والدہ ام سعد بن ربیع اور ام علا انصاریہ سے احادیث رسول

سنیں۔ ان سے مروی روایتیں بہت کم ہیں۔ پھر بھی ان سے استفادۂ حدیث کرنے والوں میں ان کے بیٹے سلیمان، ان کے دو بھتیجے سعید بن سلیمان بن زید اور قیس بن سعد بن زید، عبداللہ بن عمرو اور ان کے بیٹے محمد بن عبداللہ، ثابت بن قیس، سالم ابوالنضر، سالم بن عبداللہ بن عمر، سعید بن یسار، عبداللہ بن ذکوان، عبداللہ بن کعب، مجالد بن عوف، ابن شہاب زہری، کثیر بن زید، عثمان بن حکیم، عثمان بن عمر، مطلب بن عبداللہ، یزید بن قسیط اور ابوبکر بن محمد بن عمرو بن حزم شامل ہیں۔ ابن سعد نے ان کا ذکر تابعین مدینہ کے دوسرے طبقہ میں کیا ہے۔ ابن حبان نے انھیں ثقہ مانا ہے۔

خارجہ بن زید اپنے والد زید بن ثابت کی طرح مسائل وراثت کے ماہر تھے۔ مدینہ کے لوگ خارجہ اور طلحہ بن عبداللہ بن عوف کے پاس اپنے گھروں، مال مویشی اور کھجوروں کے باغات کی تقسیم کے مسائل لاتے۔ یہ دونوں ان مسئلوں میں لوگوں کی عملی رہنمائی کرتے، اہل مدینہ کو ان کے فیصلوں پر بھروسا ہوتا۔ لوگ ان سے اپنی قانونی تحریریں اور وثیقے بھی لکھواتے۔ خارجہ درویش منش تھے، اموی خلیفہ سلیمان بن عبدالملک نے انھیں کچھ مال بھیجا تو انھوں نے پاس رکھنے کے بجائے اسے بانٹ دیا۔

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

ایک موقع پر حضرت عمر بن عبدالعزیز نے فرمان جاری کیا: ''خارجہ کا بیت المال سے روکا جانے والا حصہ انھیں دے دیا جائے۔'' خارجہ ابوبکر بن حزم کے پاس گئے اور کہا: ''میں نہیں چاہتا کہ امیر المومنین پر اس وجہ سے کوئی حرف آئے، کیونکہ میری طرح اور بھی لوگ ہیں (جن کا نام بیت المال کے رجسٹر سے کاٹا گیا ہے)۔ اگر امیر المومنین اس فرمان میں ان کو بھی شامل کر لیں تو میں عطیہ قبول کروں گا، لیکن اگر وہ یہ نوازش خاص مجھ پر کریں گے تو مجھے یہ اچھا نہ لگے گا۔'' عمر نے جواب لکھا: ''بیت المال اس قدر عطیوں کی گنجایش نہیں رکھتا، اگر اس میں اتنی وسعت ہوتی تو میں کر گزرتا۔''

خارجہ کی وفات ۹۹ یا ۱۰۰ھ میں مدینہ ہی میں ہوئی۔ مرنے سے پہلے انھوں نے خواب دیکھا کہ وہ ۷۰ سیڑھیاں چڑھ چکے ہیں اور پھر نیچے لڑھک گئے، اتنی ہی ان کی عمر ہوئی۔

ابوبکر بن محمد بن عمرو بن حزم نے ان کا جنازہ پڑھایا۔ رجا بن حیوہ نے عمر بن عبدالعزیز کو خارجہ بن زید کی وفات کی خبر دی، انھوں نے انا للہ وانا الیہ راجعون پڑھا، افسوس سے ہاتھ پر ہاتھ مارا اور فرمایا: ''بخدا، اسلام میں شگاف پڑ گیا ہے''۔